شوال 1436 ہجری، جولائی 2015ء

ماہنامہ چشمِ بیدار لاہور

جلد نمبر 9 شمارہ نمبر 7

سرپرست اعلیٰ

شیخ آصف احمد

0333-4851638

مدیر : ملک احمد سرور

مجلس مشاورت

محمد اسلم ترین — حاجی انعام الٰہی اثر
عظمت شیخ — ڈاکٹر محمد شریف چودھری
خواجہ محبوب الٰہی — خواجہ اعجاز احمد
نصرت الدین — بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف
ڈاکٹر سعید احمد ملک — ظفر اقبال بلوچ
ڈاکٹر مسعود عالم

سرکولیشن مینیجر ..... خوشنود عباس
سرورق ڈیزائنر ..... طٰہٰ حسن
آرٹ ایڈیٹر ..... سکندر بشیر مجی

محترم قارئین!

ماہنامہ چشم بیدار کا پتہ تبدیل ہو چکا ہے، خط کتابت نئے پتے پر کریں، شکریہ۔

نیا پتہ: E-24 مین مارکیٹ نزد نیشنل بینک (دفتر شیخ آصف احمد) گلبرگ II لاہور۔

پتہ خط کتابت

ماہنامہ چشمِ بیدار

E-24 مین مارکیٹ نزد نیشنل بینک (دفتر شیخ آصف احمد) گلبرگ II لاہور

فون: 042-35714141

Email:chashmibedar@gmail.com

زر تعاون: فی شمارہ 50 روپے

پاکستان ..... 400 روپے

برائے چیک / آن لائن

CHASHM-E-BEDAR

Account: 0207-02000001928

Meezan Bank, Urdu Bazar Lahore.

ناشر ملک سرور نے ارشد عثمانی پرنٹرز سہیل سنگھ سٹریٹ 72 چیمبرلین روڈ لاہور سے چھپوا کر E-24 مین مارکیٹ نزد نیشنل بینک گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

1- آپریشن ضربِ عضب کا ایک سال	اداریہ	4
2- ذالك الكتٰب لا ريب فيه (سورہ رحمٰن)	سید قطب شہید	6
3- افضل واحسن اعمال (فرامین نبویؐ کی روشنی میں)	ملک احمد سرور	13
4- قرآن کی سائنسی سچائیاں اور سائنس دان	ملک احمر سرور	18
5- جبل الطارق	ملک احمد سرور	32
6- قائداعظم کا فرمان: پاکستان تجربہ گاہِ اسلام	خواجہ محمد اسلم	46
7- روزوں کی غرض و غایت، آئینۂ قرآن میں	سیّد ابوالحسن علی ندویؒ	54
8- 13 جولائی..... یوم شہدائے کشمیر	مدیر بیدار	61
9- 19 جولائی..... یوم الحاق پاکستان	مدیر بیدار	65
10- فکر اقبال	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	70
11- ایمان بالغیب	شیخ علی طنطاوی	77
12- موت	امام غزالی	87
13- ہمسایوں کے حقوق	بنت الاسلام	92

Online: chashmebedar.blogspot.com

اداریہ

آپریشن ضربِ عضب کا ایک سال

آپریشن ضربِ عضب 15 جون 2014ء کو شروع ہوا اور ایک سال میں 2763 مشتبہ دہشت گرد مارے گئے ، 837 کمین گاہیں تباہ ہوئیں، 253 ٹن ایکسپلوزو مٹیریل ہاتھ آیا اور 347 فوجی شہید ہوئے ۔ جب یہ آپریشن شروع ہوا تو اس آپریشن کے حامی بھی اس کی کامیابی کے بارے میں زیادہ پر امید نہ تھے، مگر چند ہی ماہ کی کارروائیوں نے کامیابیوں کے وہ جھنڈے گاڑھے کہ پوری دنیا خراج تحسین پیش کرنے لگی۔ اس سے قبل پورا ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں تھا اور اخباریں دہشت گردی کی خبروں سے بھری ہوتی تھیں۔ دہشت گردی کے ہولناک واقعات سے ہر فرد گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے یہاں تک کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے ہوئے بھی خوف زدہ ہوتا تھا۔ کسی بھیڑ والے مقام سے گزرتے ہوئے دل دھک دھک کرنے لگتا تھا کہ کہیں بم دھماکا نہ ہو جائے۔ تعلیمی اداروں کی فضا پر دہشت کے بادل چھائے ہوئے تھے، الغرض ہر مقام دہشت گردوں کی گرفت میں تھا۔ لیکن ضربِ عضب کے بعد دہشت گرد مرنے اور بھاگنے لگے، پاک فوج کی گرفت بتدریج بڑھتی چلی گئی۔ دہشت گردوں کی کمین گاہیں، اسلحے کے کارخانے اور انفراسٹرکچر سب کچھ تباہ کر دیا گیا ۔ پاکستان میں اب دہشت گردی آخری سانسیں لے رہی ہے۔ پاک فوج کے پہلے جرنیل اور جوان بھی بہادر اور جرأت مند تھے ، اور ان کی قربانیاں بھی قابل تعریف ہیں لیکن جنرل راحیل شریف کی قیادت میں فوجی جوانوں نے ناممکن کو ممکن بنا کر دکھا دیا ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ جنرل راحیل عزم صمیم اور واضح پلان رکھتے ہیں۔ فوجی جوان جان گئے کہ جنرل راحیل اٹھایا ہوا قدم کبھی واپس نہیں رکھیں گے، اس لیے وہ بھی دہشت گردی کے خلاف بے خوف ہو کر ڈٹ گئے، اور کامیابیاں ان کے قدم چومنے لگیں۔ آج سوائے چند علاقوں کے پورے ملک میں امن کی فضا قائم ہے ، دہشت گردی کے جو اکادکا واقعات ہو رہے ہیں ، وہ زیادہ تر فرقہ وارانہ نوعیت کے ہیں۔ نفرت انگیز اور فرقہ وارانہ لٹریچر اور تقاریر کے خلاف جس طرح ایک زوردار مہم جاری ہے ، اس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کا خاتمہ بھی قریب ہے۔ یہ سب کچھ جنرل راحیل کی فکر اور اقدامات کا نتیجہ

ہے۔سوائے چند مفاد پرست عناصر کے پوری قوم جنرل راحیل کے اقدامات کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے۔ بارودی دہشت گردوں کے خاتمے کے ملک کی معیشت پر نہایت مثبت اثرات پڑے ہیں۔ اب معاشی دہشت گردوں کے خلاف اقدامات شروع ہیں۔اگر یہ کسی مصلحت کا شکار نہ ہوئے تو ملک کی معیشت تیزی سے ترقی کرے گی۔معاشی دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کا کریڈٹ بھی جنرل راحیل ہی کو جائے گا ورنہ آٹھ سال قبل NRO کے ذریعے ان معاشی دہشت گردوں کو قانونی تحفظ دے دیا گیا تھا۔قوم کی خواہش اور دعا ہے کہ جنرل راحیل قوم کی تقدیر بدلنے میں کامیاب ہوں، اور لٹیرے سیاستدانوں سے جان چھوٹے۔قوم یہ بھی امید رکھتی ہے کہ جنرل راحیل کوئی نیا NRO نہیں آنے دیں گے۔

الحمد لله رب العالمين

اے ربِ کائنات ، تیرا جس قدر بھی شکر ادا کروں ، کم ہے۔عیار، مکار انتہا پسند مذہبی جنونیوں کی انتہائی مذموم کوششوں کے باوجود تو نے مجھے سرخرو کیا۔اگر تیرا فضل و کرم اور رحمت میرے شامل حال نہ ہوتی تو یہ لوگ مجھے ذبح کرنے سے بھی نہ چوکتے۔ میں ان کے مقابلے میں انتہائی کمزور اور کم وسائل تھا، حکومتی ایوانوں میں اثر ورسوخ تھا نہ سرکاری محکموں میں ، صرف اور صرف تیرے ہی آگے التجائیں کر سکتا تھا اور وہی کرتا تھا۔اے اللہ ، تیرا شکر ہے کہ تو نے میری التجاؤں کو سنا اور تین ہفتوں کی تفتیش کے بعد مجھے بے قصور قرار دلوا دیا۔ان مذہبی جنونیوں نے میرے خلاف جو کچھ کیا ، جو بھی سنتا ہے کہتا ہے کہ شرمناک ہے۔تین ہفتوں کی طویل داستان ان شاء اللہ مناسب وقت پر سناؤں گا، اس وقت اتنی ہی عرض ہے کہ ''لحاظ اور احترام'' میں کبھی قانونی تقاضے پورے کرنا نہ بھولنا۔ میں نے جو اذیت اور مشکلات برداشت کی ہیں، وہ محض اور محض لحاظ و احترام کی وجہ سے تھیں۔میری دعا ہے کہ اے اللہ، محترم عبدالوحید سلیمانی صاحب کے لیے بھی آسانیاں پیدا کر اور انہیں بھی مشکلات سے نجات دے، آمین

وما علينا الا البلاغ المبين

سورۂ اللھب

سورہ اللھب ایک نظر میں

ابولہب کا نام عبدالعزٰی ابن عبدالمطلب تھا۔ یہ نبی ﷺ کا چچا تھا۔ ''ابولہب'' کے نام سے اس لیے مشہور ہو گیا کہ وہ شعلے کی طرح سرخ چہرہ رکھتا تھا۔ یہ اور اس کی بیوی' ام جمیل رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ اذیت دیتے تھے، اور دعوت اسلامی کے جانی دشمن تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حسین ابن عبداللہ بن عبیداللہ ابن عباس نے بتایا' کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ ابن معاذ دیلمی کو یہ کہتے سنا: ''میں اپنے والد کے ساتھ تھا اور جوان تھا کہ ایک نوجوان شخص (رسول اللہ) کو میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے ہیں (اور ان کے پیچھے ایک دوسرا شخص ہے جو حسین وجمیل ہے اور بڑے بڑے بالوں والا ہے اور بھینگا ہے) اور کہتے ہیں: ''اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی بندگی کرو' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' میری تصدیق کرو' اور میری حمایت و مدافعت کرو تا کہ میں اس چیز کو نافذ کر سکوں جس کے ساتھ مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔'' یہ نوجوان جب اپنی بات سے فارغ ہوتا تو اس کے پیچھے کھڑا یہ دوسرا شخص یہ کہتا: ''اے بنی فلاں! یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات اور عزیٰ کو چھوڑ دو' اور بنی مالک ابن اقمس کے ان دوستوں کو بھی چھوڑ دو جو تمہارے حلیف ہیں اور اس بدعت اور گمراہی کو قبول کر لو جو یہ لے کر آیا ہے۔ اس کی بات نہ سنو اور نہ اس کی اطاعت کرو۔'' میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔'' (امام احمد و امام طبرانی)

یہ ایک نمونہ ہے ابولہب کی سازشوں کا جو وہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کی دعوت کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ ام جمیل' اس کی بیوی اس سلسلے میں اس کی معاون تھی۔ ان کی مہم نہایت ظالمانہ اور شدید تھی۔ ام جمیل کا نام اروی بنت حرب ابن امیہ ہے۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی۔

حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کی دعوت کے خلاف ابولہب کا یہ رویہ اول روز سے تھا۔ امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ' حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ وادی بطحا کی

طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور پکارا ''یاصباحاہ'' اس پر قریش سب کے سب پہاڑ پر جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن تم پر صبح کو حملہ کرنے والا ہے یا شام کو تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ''ہاں'' تو آپؐ نے فرمایا: ''سنو' میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم پر آنے والا ہے۔'' اس پر ابولہب نے کہا: ''کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا' تم ہلاک ہو جاؤ۔'' اس پر اللہ نے یہ سورت نازل کی:

﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (1:111)

''ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ہلاک ہوا۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ اٹھا اور اپنے ہاتھ جھاڑنے لگا اور اس نے کہا: ''ہلاکت ہو تم پر سارا دن' کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا'' تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

جب بنو ہاشم نے ابوطالب کی قیادت میں نبی ﷺ کی حمایت کا فیصلہ کیا' اگرچہ انہوں نے آپؐ کے دین کو قبول نہ کیا تھا لیکن عصبیت کے اصولوں کے مطابق انہوں نے نبی ﷺ کی حمایت کا فیصلہ کیا تو ابولہب بنو ہاشم سے نکل گیا' اور اس نے آپؐ کے خلاف قریش کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کیا۔ اور جب انہوں نے حضور اکرمؐ اور بنو ہاشم کے ساتھ مقاطعہ کیا تو اس سلسلے کی تحریر پر ابولہب نے بھی دستخط کیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم کو قحط سے ڈرا کر اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔

آپؐ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کی مخطوبہ تھیں۔ یہ رشتہ بعثت سے قبل ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ ان کو طلاق دے دیں تاکہ محمد ﷺ پر خاندانی بوجھ بڑھ جائے۔

یوں ابولہب اور ان کی بیوی ام جمیل نے آپؐ کے خلاف شدید جنگ جاری رکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں دعوت اسلامی کے شدید دشمن تھے اور یہ جنگ انہوں نے اپنی پوری زندگی جاری رکھی۔ کسی وقت بھی اس میں انہوں نے کوئی رو رعایت نہ کی۔ ابولہب کا گھر حضور اکرمؐ کے گھر کے قریب تھا، اس لیے آپؐ کو اذیت دینے کے مواقع بھی اس کو بہت ملتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ ام جمیل کانٹے جمع کرتی اور حضورؐ کے راستے میں رکھ دیتی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لکڑیاں اٹھانا حضورؐ کے خلاف فتنے اٹھانے' آپ کو اذیت دینے اور آپؐ کے خلاف سازشیں

کرنے سے استعارہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ o مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ o سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍo وَامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِo فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍo﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جورو بھی' لگائی بجھائی کرنے والی' اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔''

یہ سورت اللہ کی طرف سے اس لیے نازل ہوئی کہ ابولہب اور اس کی بیوی کی طرف سے برپا کی ہوئی جنگ میں حضور کی حمایت کی جائے۔ گویا یہ معرکہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

﴿تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ﴾ (1:111)

''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔''

تبت' تباب سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاکت' تباہی اور انقطاع کے ہیں۔ یہاں تبت کے معنی ہیں بددعا کے اور دوسرے تب کے معنی ہیں کہ وہ ہلاک ہو گیا' تباہ ہو گیا اور اس کا سلسلہ کٹ گیا۔ یہ خبر ہے وقوعِ بددعا کی۔ سورت کے آغاز ہی میں اس مختصر آیت میں بددعا اور اس کی تکمیل کا مکمل منظر ہے۔ گویا معرکہ ختم ہو جاتا ہے اور پردہ گر جاتا ہے۔ اس کے بعد' آنے والی دوسری آیت میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے:

﴿مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ﴾ (2:111)

''اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔''

اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے' وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔ اس کا مال اور اسلام کے خلاف جدوجہد اس کے کچھ کام نہ آئی اور اس کی دولت اور اس کی مکاریاں اسے ہلاکت سے نہ بچا سکیں۔

یہ تو تھا اس کا انجام دنیا میں۔ آخرت میں اس کا انجام کیا ہو گا؟

﴿سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ﴾ (3:111)

''ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا۔''

لھب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ بہت شدید اور شعلہ بار ہو گی اور سخت بھڑکی ہوئی

ہوگی۔

﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ (4:111)

''اور اس کی جورو لکڑیاں اٹھانے والی''

بھی اس آگ میں ڈالی جائے گی' اس حال میں کہ وہ لکڑیاں اٹھائے ہوئے ہوگی اور اس حال میں کہ:

﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ (5:111)

''اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔''

اور اس رسی کے ساتھ اسے آگ میں باندھ دیا جائے گا یا یہ رسی وہ ہوگی جس کے ساتھ لکڑیاں باندھی جاتی ہیں۔ اگر اس کا حقیقی معنی لیا جائے تو وہ وہاں بھی لکڑیوں اور کانٹوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جہنم میں جائے گی اور اگر مجازی معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوگا: جو شرارت کی آگ کو بھڑکاتی ہے' اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کی سعی کرتی ہے۔

اس سورت کا طرز ادا اس کے موضوعات اور معانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ سورت کی فضا کے لیے مناسب طرز تعبیر اختیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں میری کتاب ''قرآن میں مناظر قیامت'' سے چند سطریں یہاں نقل کرنا ضروری ہیں' ان کا یہاں نقل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سورت کے نزول سے ام جمیل کے دل میں ایک ایسا تیر لگا جس کی وجہ سے وہ برافروختہ ہوگئی اور پاگل ہو کر رہ گئی:

''ابولہب (شعلوں کا باپ) ایک ایسی آگ میں تپایا جائے گا جو شعلہ زن ہوگی۔ اس کی عورت جو حضورؐ کی راہ میں خاردار جھاڑیاں لا کر ڈالتی تھی وہ جہنم میں اس حال میں گرائی جائے گی کہ اس کے گلے میں مونجھ کی رسی بندھی ہوگی۔''

''الفاظ بھی باہم متناسب اور صوتی ہم آہنگی رکھنے والے' تصاویر بھی باہم یک رنگ' بس جہنم میں اس کو گرایا جائے گا' وہ شعلہ بار ہے۔ اس میں شعلوں کے باپ (ابولہب) کو گرایا جائے گا۔ اس کی عورت لکڑیاں لاتی ہے اور حضرت محمد ﷺ کے راستے میں ڈالتی ہے اور آپؐ کو ایذائیں دیتی ہے' خواہ حقیقی معنی لیا جائے یا استعارہ۔ لکڑیوں سے آگ کو بھی بھڑکایا جاتا ہے اور ان لکڑیوں کو رسی میں باندھکر لایا جاتا ہے۔ اس لیے جہنم شعلہ زن میں اسے مونجھ کی رسی سے باندھ دیا جائے گا۔ اور اسے اس رسی سے باندھ دیا جائے گا جس سے وہ لکڑیاں لاتی تھی تاکہ

سزا ایسی ہو جیسا اس کا جرم تھا۔ اور یہ تصویر اپنے سادہ رنگوں کے ساتھ سامنے آئے اور اس کے رنگ میں لکڑیاں، رسی، آگ اور شعلے ہوں۔ اور اس آگ میں میاں بیوی دونوں تپ رہے ہیں۔''

ایک دوسرے زاویہ سے بھی اس سورت میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ الفاظ کی صوتی جھنکار، لکڑیوں کے گٹھے کے باندھنے کی آواز اور گردن کو رسی سے باندھنے کی آواز بھی باہم یکساں ہیں۔ ذرا پڑھیے:

﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (1:111)

''ان الفاظ میں شد کی صوتی درشتگی ایسی ہی ہے جس طرح لکڑیوں کے گٹھے کو باندھنے میں سختی ہوتی ہے۔ جس طرح یہ الفاظ شدید ہیں اسی طرح گردن میں رسی باندھنے کا عمل اور اسے کھینچنا شدید ہے۔ اور پوری سورت میں اسی طرح کی گھٹن کی فضا ہے۔''

اس طرح صوتی ترنم، عملی کشاکش کی آواز، اور سورت کی حرکات کی جزئیات کے درمیان گہری مناسبت اور ہم آہنگی ہے۔ پھر الفاظ بھی ہم جنس، اور تعبیر میں یکسانی کا لحاظ، سب کے سب سورت کی فضا کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ پھر یہ تمام چیزیں سبب نزول اور سورت کے پس منظر کے ساتھ بھی جڑی ہوئی ہیں۔ یہ سب فنی خوبیاں صرف پانچ مختصر فقروں میں ملحوظ خاطر رکھی گئی ہیں اور قرآن کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک میں اس فنی کمال کو ظاہر کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ان فنی خوبیوں کی وجہ سے اور بے پناہ اثر کی وجہ سے ام جمیل کا تاثر یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ نے کہیں اس کی ہجو کی ہے۔ یہ سورت فوراً مکہ میں پھیل گئی تھی، جس میں میاں بیوی کی مذمت کی گئی تھی، ان کو دھمکی دی گئی تھی اور نہایت بھدی تصویر کھینچی گئی تھی۔ یہ ایسی تصویر کشی تھی جس نے ایک خود پسند عورت کے دل کو چور چور کر دیا، جسے اپنے نسب وحسب پر بہت ہی غرور تھا، جو اپنے آپ کو بہت ہی اونچے گھرانے کی عورت سمجھتی تھی لیکن قرآن نے اس کی تصویر کشی یوں کی:

﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ o فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ o﴾ (5:111)

''عورت، جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے اور جس کے گلے میں چھال کی رسی بندھی ہوئی ہے۔''

یہ نہایت ہی عام صورت حالات ہے جو عربوں میں عام تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ تذکرہ پہنچا ہے کہ ام جمیل حمالۃ الحطب نے جب اس سورت کے نزول کے بارے میں سنا کہ یہ اس کے بارے میں اور اس کے خاوند کے بارے میں نازل ہوئی ہے' یہ گئی اور حضور اکرم ﷺ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی مٹھی پتھروں سے بھری ہوئی تھی۔ جب یہ ان دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تو اللہ نے اس کی آنکھوں پر اس طرح پردہ ڈال دیا کہ وہ صرف ابوبکرؓ کو دیکھ سکتی تھی' تو اس نے کہا: ''ابوبکر! کہاں ہے تمہارا ساتھی' مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے ملتا تو میں ان پتھروں سے اسے مارتی۔ خدا کی قسم میں بھی تو شاعرہ ہوں۔ اس کے بعد اس نے شعر پڑھا ؎

مذمما عصینا

وامره ابینا

وہ محمد نہیں بلکہ مذمت کیے ہوئے ہیں' ہم نے ان کی نافرمانی کی ہے اور ان کے احکام ماننے سے انکار کر دیا' ان کے دین کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

یہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہؐ سے کہا: ''کیا اس نے آپؐ کو نہیں دیکھا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اس نے مجھے نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو مجھ سے کھینچ لیا تھا۔''

حافظ ابوبکر بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت ابن عباسؓ سے' جب سورہ ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (1:111) نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی حرم میں آئی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: حضورؐ اگر آپؐ ایک طرف ہو جائیں تو یہ آپؐ کو اذیت نہ دے سکے گی' تو رسول اللہ نے فرمایا: ''میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔'' یہ آئی اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہو گئی اور کہا: ''ابوبکر تمہارے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔'' تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''اس گھر کی قسم انہوں نے ایسا نہیں کیا' وہ نہ شعر کہتے ہیں اور نہ پڑھتے ہیں۔'' تو اس نے کہا: آپ تو سچے ہیں۔ جب واپس گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''حضورؐ کیا اس نے آپؐ کو نہیں دیکھا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''جب تک وہ کھڑی رہی فرشتے مجھ پر ستر پھیلائے رہے جب تک وہ چلی نہیں گئی۔''

غرض اس کا پارہ اس قدر چڑھ گیا تھا کیونکہ یہ سورت پھیل گئی تھی' اس نے اسے اپنی ہجو

سمجھا۔ اس زمانے میں ہجو صرف اشعار میں ہوتی تھی' اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے جائز طور پر ہجو کی تردید کر دی۔ اور وہ بہت سچے مانے جاتے تھے لیکن ان آیات میں اس کی جو حقارت آمیز تصویر کشی کی گئی ہے وہ اس دائمی کتاب میں ریکارڈ کر دی گئی ہے۔ اللہ کی کتاب بھی لازوال ہے اور ان دونوں کی مذمت بھی لازوال ہوگئی۔ اور یہ ایسی تصویر ہے جو ایک بولتی تصویر ہے۔ یہ ہے سزا حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کی دعوت کے خلاف سازش کرنے کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی دعوت اسلامی اور داعیان حق کے خلاف اس قسم کی سازشیں کرتے ہیں ان کی قسمت میں دنیا میں بھی ناکامی لکھی ہوئی ہے۔ وہ یہاں بھی ہلاک اور برباد ہوں گے اور آخرت میں بھی وہ ایک سخت سزا پائیں گے۔ یہ ان کی مناسب سزا ہوگی۔ دنیا میں لکڑ ہاروں کی رسی جس ذلت کی طرف اشارہ کرتی ہے' آخرت میں بھی یہ رسی اس کے گلے میں ہوگی اور یہ ذلت کی کافی نشانی ہوگی۔

بقیہ: موت

حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ اگر اس میں آسانی ہوگئی تو اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے' وہ بہت آسان ہوگا۔ اگر اس میں دشواری ہوئی تو بعد میں سب کچھ دشوار ہوگا۔

قبر کے ہیبت ناک حالات میں پہلے صور کی ہیبت ہے' پھر روز قیامت کی سختی' وہ دن بہت لمبا ہے' گرمی کی شدت ہوگی' پسینہ بہے گا' پھر گناہوں کی پرسش کا مرحلہ ہے' پھر دائیں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑانے کا مرحلہ ہے' پھر رسوائی اور فضیحت ہے جو نامۂ اعمال ملنے کے سبب ہوگی۔ پھر خطرہ ہے کہ میزان میں نیکی کا پلڑا بھاری ہوتا ہے یا برائی کا۔ پھر مدعیوں اور حقداروں کے لیے جواب کا مرحلہ۔ پھر پل صراط کی خوفناکی' پھر دوزخ' اس کے فرشتوں' طوق' زنجیروں' زقوم (تھوہر کا درخت کھانے کے لیے) اور سانپ بچھو وغیرہ کی ہیبت ہے۔ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ان ہیبت ناک حالات سے محفوظ سے محفوظ تر رہتے ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج وغم۔ ان کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے، لہٰذا اے عزیز تو نے کیا تیاری کی۔

ملک احمد سرور قسط نمبر 13

افضل و احسن اعمال

(فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں)

افضل ایام

مہینوں میں ماہ رمضان کو دوسرے مہینوں پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح بعض ایام بھی دوسرے ایام سے بہتر اور افضل ہیں۔ ذیل میں ان ایام کا ذکر کیا جارہا ہے جنہیں نبی کریم ﷺ نے افضل و احسن قرار دیا ہے۔

(1) سب سے بہترین اور برتر دن جمعہ

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَ فِیْهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَ فِیْهِ أُخْرِجَ مِنْهَا، وَ لاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلاَّ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان سارے دنوں میں جن میں سورج نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کے روز حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے نکال کر کرۂ ارض پر بھیجے گئے اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔'' (صحیح مسلم)

(2) افضل ترین دن جمعہ کا دن

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : ((إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَ فِیْهِ قُبِضَ، وَ فِیْهِ النَّفْخَةُ، وَ فِیْهِ الصَّعِقَةُ، فَأَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلاَةِ فِیْهِ، فَإِنَّ الصَّلٰوةِ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ)) . قَالُوْا : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْكَ وَ قَدْ أَرِمْتَ ؟ قَالَ : یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ . قَالَ : ((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِیَآءِ))

''حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے۔ اسی روز آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی روز قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی روز موت اور فنا کی بے ہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! (آپ کے وفات پاجانے کے بعد) ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔''

(معارف الحدیث بحوالہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ)

(3) جمعہ کا دن دنوں کا سردار

عَنْ أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَ أَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ، وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحٰى وَ يَوْمِ الْفِطْرِ، فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ: خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ آدَمَ، وَأَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ، وَ فِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ آدَمَ، وَ فِيْهِ سَاعَةٌ لَّا يَسْأَلُ الْعَبْدُ فِيْهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ، مَا لَمْ يَسْأَلْ حَرَامًا وَّ فِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ.))

''حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن دنوں کا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید قربان اور عید الفطر سے بھی بڑا ہے۔ اس میں پانچ باتیں ہیں: (۱) اس میں اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔ (۳) اس روز آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ (۴) اس دن میں ایک ساعت ہے کہ کوئی بندہ اس میں کچھ مانگے تو اللہ اس کو وہ دے دیتا ہے، اگر حرام کا سوال نہ کرے۔ (۵) اس روز قیامت قائم ہوگی۔''

(مشکوٰۃ بحوالہ احمد)

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت اس دن (جمعہ) کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یوم عید ٹھہرایا ہے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

(4) روشن رات چمکتا دن

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ .))

''جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

(5) یومِ تکمیل دن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ.....الخ﴾ جمعہ کے روز نازل ہوئی اور اس روز یوم عرفہ بھی تھا۔

(6) جمعہ کے روز اوّل وقت بہتر ہے

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : ((اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلَ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْمَعُوْنَ الذِّكْرَ .)) (متفق علیہ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اوّل وقت میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اونٹ کی قربانی دیتا ہے، اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے کی قربانی دیتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا کی قربانی پیش کرنے والے کی ہے، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہوجاتے ہیں۔''

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

(7) ایام عیدین بہتر ہیں

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ : قَدِمَ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ ، وَ لَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ

فِيْهِمَا، فَقَالَ : ((مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟)) قَالُوْا : كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا، فِيْ الْجَاهِلِيَّةِ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا : يَوْمَ الْاَضْحٰى، وَ يَوْمَ الْفِطْرِ)) .

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو سال کے دو دنوں میں (لہو ولعب) خوشیاں مناتے دیکھا، پوچھا: یہ کیسے دن ہیں؟ بتایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیل تماشا کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان سے بہتر دو دن مقرر فرمادیے ہیں، ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر کا دن۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

(8) یوم عرفہ

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يَّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ .)) (رواہ مسلم)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لیے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت و رافت کے ساتھ اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہوتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: "مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟" دیکھتے ہو! میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟'' (معارف الحدیث بحوالہ صحیح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل، اتنا خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جلا بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ عرفہ کے دن۔''
(معارف الحدیث بحوالہ موطا امام مالک)

(9) یوم النحر اعظم الایام

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ .)) (رواہ ابوداؤد)

''حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی 10 ذوالحجہ کا دن) ہے، اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القر (11 ذی الحجہ) کا درجہ ہے۔''

(معارف الحدیث بحوالہ ابوداؤد)

(10) عشرۂ ذوالحجہ

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا مِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ يَعْنِىْ اَيَّامَ الْعَشْرِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَىْءٍ.))

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا محبوب ہے اور دنوں میں اتنا نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، البتہ وہ شخص کہ اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کے لیے نکلا اور پھر جان و مال قربان کر کے شہید ہو گیا۔'' (ریاض الصالحین بحوالہ ترمذی)

اسی عنوان پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ (معارف الحدیث بحوالہ جامعہ ترمذی)

(11) عظمت والا مہینہ اور شب قدر

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِىْ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِىْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ.))

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں فرمایا: ''اے لوگو! ایک بڑی عظمت والا، بڑی برکت والا قریب آ گیا ہے، وہ ایسا مہینہ ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' (مشکوٰۃ)

مہینہ سے مراد رمضان کا مہینہ اور رات سے مراد شب قدر ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ القدر میں بھی ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ ''یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

مرتب: ملک احمد سرور

قرآن کی سائنسی سچائیاں اور سائنس دان

قرآن مجید سائنس کی کتاب نہیں مگر اس کے اندر سینکڑوں آیات سائنسی علوم سے متعلق ہیں۔ سائنس دان جب ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ سائنسی حقائق جو آج سامنے آ رہے ہیں قرآن مجید میں 14 صدیاں قبل کیسے بیان کر دیے گئے۔ اپنے سوال پر غور کرتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں کہ ''یہ کتاب کسی انسان کی تخلیق نہیں' یہ کسی بشر کا کلام نہیں' یہ یقیناً رب العالمین کی طرف سے ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔'' ذیل میں ہم ان چند سائنس دانوں اور دیگر علوم کے ماہرین کا ذکر کر رہے ہیں' قرآن مجید میں سائنسی علوم سے متعلق آیات نے جن کی کایا پلٹ دی۔ سب سے پہلے ''اسلامک فیوچر جدہ'' میں شائع ہونے والا ایک مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا ترجمہ محترم طارق انیس صاحب نے کیا ہے۔

☆ پروفیسر عبداللہ الیسون

مادرائی نفسیات میں تحقیق اور قرآنی رہنمائی میں انسان کے روحانی علاج نے ڈاکٹر آرتھر جے الیسون کو اسلام کی سائنسی سچائیوں کا معترف بنا دیا۔ ڈاکٹر الیسون جنہوں نے قاہرہ میں منعقدہ ایک سائنسی کانفرنس کے دوران میں اسلام قبول کیا' کہتے ہیں کہ مسلمان دیگر مذاہب کے ماننے والوں پر اسلام کی سائنسی سچائی کو واضح کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

موصوف جو کہ اب عبداللہ الیسون کے نام سے جانے جاتے ہیں' برٹش یونیورسٹی کے شعبہ الیکٹریکل اور الیکٹرونکس انجینئرنگ کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے سائنس دانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اسلام سے آگاہی حاصل کریں کیونکہ یہ ایسا مذہب ہے جو عقل اور جذبات کو بیک وقت مخاطب کرتا ہے۔ کئی مغربی سائنس دان ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے مطالعے کے بعد جب اپنی تحقیق و تعلیم کو اسلام کی سچائی کی گواہی دیتے پایا تو دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے بقول اسلام ہی ایک ایسا جامع دین ہے جو ثابت شدہ جدید سائنسی دریافتوں کی نفی نہیں کرتا اور دوسرے مذاہب اور فلسفوں کے برعکس کئی سائنسی و تکنیکی نظریات کی تائید کرتا ہے۔

ڈاکر الیسون کہتے ہیں کہ انہیں چھ برس تک برٹش پیرا سائیکالوجی اور سپر چوئیل

(Parapsychology and spirtual Studies Society) اسٹڈیز سوسائٹی کے چیئرمین کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ اس حیثیت میں انہیں مختلف مذہبی فلسفوں بشمول اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ قاہرہ کانفرنس کے لیے ان کے مقالے کا مقصد ماورائی نفسیات اور قرآن کریم کی روشنی میں روحانی علاج کا مطالعہ تھا۔ نتائج حیران کن طور پر مثبت اور قائل کر لینے والے تھے بالخصوص نیند اور موت کی نوعیت و حالات کے حوالے سے اور بے شمار دوسرے حقائق کے حوالے سے بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میری خوشی کی کوئی حد نہ تھی جب میری تحقیق کے نتائج حد درجہ قائل کر لینے والے نکلے اور یوں میں نے اسلام کو دریافت کر لیا۔ مجھے افسوس ہے کہ مغرب اسلام کے سائنسی انداز سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اس کانفرنس کے دوران میں مختلف موضوعات پر مباحثوں کے منطقی نتیجے کے طور پر یہ بات سامنے آئی کہ اسلام سائنس کے خلاف نہیں اور اب میرا ارادہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں مادرائی نفسیات میں مزید تحقیق کروں۔''

قاہرہ کانفرنس کے لیے مقالے کی تیاری کرتے ہوئے ڈاکٹر الیسون قرآن کریم کی اس آیت پر پہنچ کر چونک اٹھے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (الزمر: 42)

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے' اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے' پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس بات میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر الیسون کہتے ہیں کہ ان کے تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو کوئی چیز انسانی جسم سے باہر نکل جاتی ہے جو بعد میں واپس آتی ہے تو آدمی بیدار ہو پاتا ہے البتہ جب کسی کی موت واقع ہوتی ہے تو وہ چیز واپس نہیں آتی اور یہی حقیقت ہے جسے قرآن واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

☆ ماہر علوم بحریات جیکس وس کاؤسٹے

نامور فرانسیسی ماہر بحریات مسٹر جیکس وس کاؤسٹے جنہوں نے زندگی زیر آب دریافتوں میں گزار دی اور زیر سمندر ہونے والی دریافتوں پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں' انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ موصوف کی وہ حیران کن دریافت تھی جس کا اعلان قرآن نے سوا چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا..... یقیناً قرآن کریم جن وانس کے لیے اللہ کی آخری اور حتمی کتاب ہے.....ایک روز وہ سمندر کی تہ میں مطالعاتی مشن پر تھے کہ انہوں نے دریافت کیا کہ سمندر کے نمکین پانی کے بیچ میٹھے خوش ذائقہ پانی کے چشمے ہیں۔ جس چیز نے انہیں حیران کر دیا وہ یہ تھی کہ ان چشموں کا میٹھا پانی نمکین سمندری پانی میں مل نہیں رہا تھا۔ اس عجوبے کی وجہ تلاش کرنے کی مقدور بھر کوشش کے باوجود وہ کوئی معقول سبب معلوم نہ کر سکے۔ انہوں نے ایک روز اس عجیب وغریب دریافت کا ذکر ایک مسلمان پروفیسر سے کیا تو اس نے بتایا کہ اس عجوبے کی وجہ تو اللہ کا حکم ہے' جس کا اعلان قرآن پاک نے واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ اس کے بعد اس مسلمان پروفیسر نے درج ذیل آیت پڑھی:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝﴾ (الفرقان 53:25)

''وہی (اللہ) ہے جس نے بہتے پانی کے دو دھاروں کو ملا رکھا ہے۔ ایک خوش ذائقہ اور میٹھا' اور دوسرا تلخ وشور۔ اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈ مڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔''

یہ سن کر مسٹر کاؤسٹے چلا اٹھے:

''قرآن واقعی آسمانی کتاب ہے'' اور پھر ایمان لے آئے۔

ایمبر الوجسٹ پروفیسر کینتھ مور اور پروفیسر تجاتن

سعودی عرب کے دورے کے دوران میں پروفیسر تجاتن اور تہاسن' سابق صدر شعبہ اناٹومی اینڈ ایمبر یالوجی اور موجودہ تھائی لینڈ یونیورسٹی کے کالج آف میڈیسن کے سربراہ کو کچھ قرآنی آیات اور احادیث سے روشناس کرایا گیا جو کہ ان کے پیشے سے متعلق امور کی وضاحت کرتی تھیں اور پھر پروفیسر صاحب سے پوچھا گیا کہ آیا وہ کینیڈا کے پروفیسر کینتھ مور کے سائنسی

انکشافات سے آگاہ ہیں تو پروفیسر تجاتن نے جواب دیا کہ ہاں کینتھ مور ایمبر یالوجی کے شعبے کا ایک بڑا نام ہے۔ اس اعتراف کے بعد پروفیسر تجاتن کو کینیڈا کے ماہر کا ایک مضمون پڑھنے کو دیا گیا جس میں پروفیسر کینتھ مور نے اعتراف کیا ہے کہ جدید سائنس نے جو کچھ دریافت کیا ہے وہ بڑی حد تک قرآن نے سینکڑوں برس پہلے بتا دیا تھا۔ پروفیسر تجاتن کو یہ پڑھ کر سخت حیرت ہوئی اور اس ضمن میں مزید جاننے کا ارادہ کیا۔ تب ان کے سامنے یہ آیت پیش کی گئی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۝﴾

(النساء 56:4)

''جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔''

پروفیسر تجاتن نے مان لیا کہ یہ اس جلدی عجوبے کی طرف اشارہ ہے جو کہ جدید سائنس نے کچھ ہی عرصہ پہلے دریافت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دراصل تمام رگوں اور نسوں کا اختتام جلد میں ہوتا ہے اور اگر جلنے کا زخم گہرا ہو یا کھال مکمل طور پر جل جائے تو اس میں درد کی حس ختم ہو جاتی ہے' تب اگر کسی کو مارا جائے یا کسی بھی طریقے سے اذیت دی جائے تو اسے تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

اللہ نے اپنے اسی پیدا کردہ بھید کے باعث یہ کہا کہ کھالیں بار بار بدل دی جائیں گی تاکہ نسوں کے کناروں کو باربار زندگی ملتی رہے اور بے ایمان لوگ جنہیں جہنم کی آگ میں پھینکا جائے گا تازہ کھالیں ملنے کے باعث' مسلسل ان کی کھال جلتی رہے اور وہ لگاتار عذاب سے گزرتے رہیں۔ بقول پروفیسر صاحب یہ انسانی علم سے ماورا بات ہے کہ چودہ سو سال پرانی کتاب میں وہ راز منکشف ہو جس کا قطعی طور پر انسان کو ماضی میں علم نہیں تھا۔

''تو پھر یہ معلومات کہاں سے آئیں''

جواب دیا گیا: ''اللہ کی جانب سے یہ معلومات نازل ہوئیں۔''

پروفیسر کا سوال تھا: ''یہ اللہ کون ہے؟''

تب انہیں بتایا گیا کہ اللہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور صحیح اور سچا علم اسی کی جانب سے آتا ہے' وہی حکمت والا ہے' وہی چیزوں کو تکمیل عطا کرتا ہے اور وہ بہت مہربان ہے۔

پروفیسر صاحب واپس تھائی لینڈ چلے گئے اور جو کچھ انہوں نے سیکھا تھا اس کی روشنی میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے پانچ شاگردوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ دوبارہ ریاض میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے سعودی عرب گئے۔ اس کانفرنس میں مندوبین کے سامنے انہوں نے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے بتایا کہ ان کی تحقیق نے یہ بات ان پر عیاں کی ہے کہ قرآن سب سے بڑی سچائی ہے۔ جن سچائیوں تک جدید سائنس کی رسائی حال ہی میں ہوئی ہے' قرآن نے انہیں چودہ سو سال پہلے واضح کر دیا تھا۔ محمدؐ امی تھے' یقیناً جو کچھ نازل ہوا اللہ ہی کی جانب سے ہوا جو خالق حقیقی ہے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے پروفیسر تجاتن نے کہا کہ یہی وقت ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا جائے..... پروفیسر تجاتن نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے بالآخر اسلام قبول کر لیا.....جس کسی کے سامنے اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیاں پہنچیں اور وہ جان بوجھ کر ان کا انکار کر دے اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہالت سے چمٹا رہے تو اوپر کی آیت میں مذکور عذاب اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ (بہ شکریہ: اسلامک فیوچر۔ جدہ)

☆ ماہر فلکیات پروفیسر سر جیمز جینس

مندرجہ ذیل واقعہ کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں اور اسے ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے تحریر کیا ہے۔ ''1909 کا ذکر ہے' اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (JAMESGEANS) پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: ''تم کیا چاہتے ہو'' میں نے کہا: دو سوال' اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔ سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے' یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لیے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو' چنانچہ شام کو میں ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ ٹھیک چار بجے لیڈی جیمز نے باہر آ کر کہا: ''سر جیمز تمہارے منتظر ہیں۔'' اندر

گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے، کہنے لگے: ''تمہارا سوال کیا تھا؟'' اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق' ان کے حیرت انگیز نظام' بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں' ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی داستان کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے' آنکھوں سے حیرت اور خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے: ''عنایت اللہ خاں! جب میں اللہ کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب کلیسا میں اللہ کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں: ''تو بہت بڑا ہے'' تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے' مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے' مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا، میں گرجے کیوں جاتا ہوں؟''

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا' میں نے کہا: جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن کی دو آیتیں یاد آ گئی ہیں، اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا: ''ضرور۔'' چنانچہ میں نے سورہ فاطر کی آیت نمبر 27 اور 28 پڑھ کر سنائیں جن کا ترجمہ یوں ہے:

> ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ آسمان سے پانی برستا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید' سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

آیتوں کا ترجمہ سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے: ''کیا کہا! اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں' حیرت انگیز بہت عجیب' یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی' محمدؐ کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ

قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمدؐ ان پڑھ تھے' انہیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہوسکتی' انہیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی بہت خوب۔''

☆ فرانس کے ڈاکٹر غرینیہ کی گواہی

مصر کے مشہور صحافی اور ادیب محمود بے مصری روایت کرتے ہیں: ''میں کئی سال تک فرانس میں مقیم رہا اور اپنے ملنے والوں سے ایک ڈاکٹر کی تعریف وتوصیف سنتا رہا۔ راست بازی' روشن خیالی' اعلیٰ ظرفی اور اخلاص مندی' کریم النفسی' مہمان نوازی' غرض کوئی بھی انسانی وصف ایسا نہ تھا جس سے میرے ملاقاتی اسے نسبت نہ دیتے ہوں۔ میں سمجھتا کہ بیماروں پر اس کی شفقت عام ہوگی مگر تعجب ہے کہ بیماروں سے بڑھ کر تندرست اس کے زیادہ قصیدہ خوان تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا نام غرینیہ تھا۔ وہ فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن بھی تھے۔ یہ ان کی ہر دل عزیزی کا واضح ثبوت تھا۔ لیکن لوگوں کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر کی نیک دلی اور صاف باطنی اس اعزاز سے بہت بلند ہے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کا ماحول اور اس کے ارکان کا عمومی کردار اور کھوکھلی تقریریں انہیں راس نہ آئیں' انہوں نے پارلیمنٹ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ پیرس کی رہائش بھی ترک کی اور رونق' شہرت کے اس شہر اور مرکز کو چھوڑ کر فرانس کے ایک پرسکون گاؤں میں اقامت اختیار کرلی۔

محمود بے مصری لکھتے ہیں: جب مجھے ان حالات کا علم ہوا اور ساتھ ہی پتہ چلا کہ اس عظیم انسان نے اسلام قبول کرلیا ہے تو دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ اس سے ملاقات کی جائے اور کم از کم قبولِ اسلام کا سبب دریافت کیا جائے۔ چنانچہ میں اس گاؤں میں پہنچا' جہاں ڈاکٹر صاحب کی رہائش تھی۔ میں نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا کہ اس بستی میں ڈاکٹر موصوف غیر معمولی طور پر ہر دلعزیز ہیں۔ ڈاکٹر غرینیہ کو پہلی نظر دیکھ کر ہی دل کے کنول کھل اٹھے۔ ان کی پیشانی پر محبت اور خوش اخلاقی کے معصوم ستارے کھیل رہے تھے۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت مصروف تھے' تاہم بہت گرم جوشی سے ملے۔ ایسی گرم جوشی سے جس سے اخوت اسلامیہ کا نام زندہ ہے۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو چند رسمی باتوں کے بعد میں نے دریافت کیا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟'' ''قرآن پاک کی صرف ایک آیت'' ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تو آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا اور اس کی کسی آیت نے آپ پر اثر کیا؟''

میں نے وضاحت چاہی۔

''نہیں میں نے کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کی۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

''پھر کیا قرآن کی کوئی تفسیر پڑھی'' میرے سوال میں حیرت کا عنصر شامل تھا۔

''نہیں تفسیر بھی نہیں پڑھی۔'' تو پھر یہ واقعہ کیسے ہوا؟

ڈاکٹر صاحب نے کہنا شروع کیا:

میری جوانی سمندری سفروں میں گزری ہے۔ مجھے سمندر کے نظاروں اور سفروں کا شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ ہمیشہ آبی مخلوق بنا رہتا تھا۔ میں اپنے شب و روز پانی اور آسمان کے درمیان بسر کرتا تھا اور اس قدر مسرور تھا کہ گویا میری زندگی کا مقصد یہی ہے۔ میرا دوسرا معمول کتابوں کے مطالعے میں منہمک رہنا تھا۔ جب بھی فارغ ہوتا کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتا۔ مطالعے کا یہی شوق مجھے قرآن کے فرانسیسی ترجمہ تک لے آیا۔ یہ ترجمہ موسیوسا قاری کے قلم سے تھا۔ میں اس نسخے کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ سورۃ نور کی ایک آیت پر نظریں جم کر رہ گئیں۔ اس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ اس آیت میں کسی گمراہ شخص کی حالت کے متعلق ایک نہایت عجیب تمثیل بیان کی گئی تھی یعنی ''گمراہ شخص حالت کفر میں ایسے ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے جیسے ایک شخص اندھیری رات میں' جبکہ بادل بھی چھائے ہوئے ہوں' سمندر کی لہروں کے نیچے ہاتھ پاؤں مارتا ہو:

''اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل' تاریکی پر تاریکی مسلط ہے' آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔'' (سورہ نور آیت 40)

جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے خیال کیا کہ محمدؐ ضرور ایسے شخص ہوں گے جن کے دن اور رات میری طرح سمندروں میں گزرے ہوں گے۔ لیکن اس خیال کے باوجود مجھے حیرت تھی اور پیغمبرؐ اسلام کے کمال اسلوب کا اعتراف تھا کہ انہوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر مگر بلیغ اور جامع الفاظ میں بیان کیا ہے گویا وہ خود رات کی تاریکی' بادلوں کی دبیز سیاہی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس

قدر گنتی کے لفظوں میں ایسی جامعیت کے ساتھ بحر کی صحیح کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربیؐ امّیِ محض تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا تھا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہو گیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمدؐ کی آواز نہیں بلکہ اس اللہ کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ میں نے قرآن کا دوبارہ مطالعہ کیا اور خصوصاً متعلقہ آیت کا خوب غور سے تجزیہ کیا۔ اب میرے سامنے مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ شرح صدر کے ساتھ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔'' (بشکریہ: قرآن کی صداقت پر اہل علم کی گواہی' بحوالہ: اسلام زندہ باد)

☆ لیو پولڈ ویس (Leopold Weiss)

لیو پولڈ ویس 1920ء کی دہائی میں جرمنی کے شہر برلن میں فلسفہ کا استاد تھا۔ برلن یونیورسٹی تک پہنچنے کے لیے وہ روزانہ ریل پر سوار ہو کر منزل مقصود تک پہنچتا۔ ریل کے سفر میں کوئی شخص اخبار پڑھ رہا ہوتا' کوئی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا ہوتا' کوئی ویسے ہی اونگھ رہا ہوتا۔ پروفیسر پولڈ ویس فلسفہ کا استاد تھا' وہ کتاب یا اخبارات پڑھنے کے بجائے لوگوں کے چہرے دیکھتا اور جانچنے کی کوشش کرتا کہ مسافروں کے دلوں پر کیا بیت رہی ہے۔ ایک روز اچانک اس پر یہ انکشاف ہوا کہ ٹرین پر سوار ہو کر ملازمت پر جانے والے افراد خوشی اور سکون کے کسی جذبے سے خالی ہیں۔ اسے اس انکشاف پر حیرت بھی ہوئی کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں بیروزگاری زوروں پر تھی اور بہت کم لوگ ایسی ملازمتیں حاصل کر سکتے تھے جس کے لیے وہ ٹرین پر سوار ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچتے۔ پھر لیو پولڈ نے اپنی سوچ کو مزید پھیلایا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ لوگ ہنستے بھی ہیں' مذاق بھی کرتے ہیں' لیکن حقیقی خوشی کا کوئی تاثر ان کے چہرے سے نہیں ٹپکتا' حقیقی خوشی صرف بچوں کے چہروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ لیو پولڈ کو اپنے اس انکشاف پر خود بھی حیرت ہوئی۔ اس نے برلن یونیورسٹی کے اپنے ساتھیوں سے اپنی اس سوچ کا ذکر کیا کہ وہ لوگ جنہیں اچھی ملازمت حاصل ہو' معاشرے میں اعلیٰ مقام میسر ہو' وہ خوش کیوں نہیں' انہیں اور کیا درکار ہے؟

واقعی یہ سوال تو بہت اہم ہے؟

لیو پولڈ کو اس سوال کا جواب کہیں سے میسر نہیں آیا۔ ایک دن اس نے گھر پہنچ کر ایک کتاب کو جو قرآن پاک کا نسخہ تھا' کھولا تو جو صفحہ اس کے سامنے تھا اس پر سورۃ التکاثر تھی۔ ﴿الھکم

التکاثر o حتی زرتم المقابر o﴾ (التکاثر 102:1-2) غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے' یہاں تک کہ جا دیکھیں تم نے قبریں۔'' یہ دو جملے پڑھتے ہی لیو پولڈ کو اس کے سوال کا جواب مل گیا۔ ان دو جملوں میں لیو پولڈ کے سوال کا جواب کیسے پوشیدہ تھا؟ لیو پولڈ یہ سوچتا تھا کہ وہ لوگ جن کے پاس ہر چیز موجود ہے' اچھا روزگار' اچھا گھر' وہ خوش کیوں نہیں۔ قرآن نے اسے بتایا کہ وہ خوش اس لیے نہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے' اس پر بہتات کی حرص یعنی مزید حاصل کرنے کی ہوس انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتی' یہاں تک کہ وہ اپنی موت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اتنی بڑی سچائی پا کر لیو پولڈ کا ردعمل کیا تھا؟

بظاہر اس کا یہ خیال تھا کہ یہ کتاب عربوں پر کیسے نازل ہوسکتی ہے کیونکہ عرب میں تو بہتات کے مسائل اس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے اور عرب کے غریب بدو تو بڑی مشکل سے گزر اوقات کر رہے تھے۔ قرآن کا مصنف تو کوئی بیسویں صدی کا یورپی شخص ہونا چاہیے تھا کیونکہ سورۃ التکاثر نے بہتات کی حرص کے حوالے سے جس قسم کے مسائل کی طرف اشارہ کیا تھا' وہ صرف بیسویں صدی میں یورپ میں رونما ہوئے تھے' جب لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ آسائشیں موجود تھیں' اور مزید کی ہوس انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ یوں سورۃ التکاثر کی ان ابتدائی دو آیتوں نے ویس پردہ اثرات رونما کیے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا' پورے قرآن پاک کو پڑھا' اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا' احادیث کے مجموعے کا ترجمہ کیا' بہت سی اور کتابیں تصنیف کیں اور عالم اسلام میں علامہ محمد اسد کے نام سے مشہور ہوا۔ (بشکریہ ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد)

☆ فرانسیسی سرجن مورس بوکائے اور فرعون کی لاش

فرانس کے نامور سرجن مورس بوکائے متعدد کتابوں کے مصنف ہیں مگر ان کی دو کتابوں ''بائبل' قرآن اور سائنس اور What is the Origin of Man?'' نے عالمگیر شہرت حاصل کی ہے۔ بائبل' قرآن اور سائنس کے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں:

''حضرت محمدؐ کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے وہ بہت سے بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کلام ہوسکتے ہیں لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔''

مورس بوکائے کے قبولِ اسلام کی روداد بیان کرتے ہوئے جناب عابد محمود قریشی ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹلزم اینڈ اوکسیڈنٹلزم لکھتے ہیں:

1981ء میں جب فرعون کی ممی (Mummy) فرانس لائی گئی تو اس کا شایانِ شان استقبال کیا گیا اور آخر کار اسے فرانس کے مرکزِ آثار قدیمہ کے ایک خاص حصے میں پہنچا دیا گیا تاکہ فرانس کے تمام بڑے بڑے علمائے آثار، بڑے بڑے ڈاکٹرز، سرجنز اور ماہرین وظائف اعضاء اس ممی کا مطالعہ کرسکیں اور اس کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھا سکیں۔ فرعون کی اس ممی کا معائنہ کرنے والی ٹیم کا سربراہ فرانس کا سب سے بڑا سرجن مورس بوکائے تھا۔

ماہرین اس ممی کی مرمت میں مشغول و منہمک تھے جبکہ ان کے سرابرہ مورس بوکائے کے سامنے ایک ودسرا ہی مقصد تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس فرعون کا انتقال کس طرح ہوا؟ رات کے پچھلے پہر اس کے مختلف امتحانی نمونوں کے حتمی نتائج سامنے آ گئے۔ اس کے جسم کے ساتھ چمٹے ہوئے نمک کے ذرات اس بات کا پتہ دے رہے تھے کہ اس کا انتقال سمندر کے پانی میں غرق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ امتحانی نمونوں سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ سمندر میں غرق ہونے کے فوراً بعد اس کے مردہ جسم کو سمندر سے نکال لیا گیا اور پھر فوراً ہی اسے محفوظ کر دیا گیا۔ ایک عجیب بات اسے مسلسل حیرت و استعجاب میں ڈالے ہوئے تھی کہ اس کا مردہ جسم دوسرے فرعونوں کے محفوظ شدہ مردہ اجسام میں سب سے زیادہ محفوظ کیونکر رہ گیا حالانکہ اسے سمندر سے نکالا گیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ ایک بڑا چونکا دینے والا انکشاف تھا کہ اس کے مردہ جسم کو غرق ہونے کے فوراً بعد ہی سمندر سے نکال لیا گیا تھا اور اس کو محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اس کو یوں لگا جیسے اس کے کان میں کوئی سرگوشی کر رہا ہے؟ کہ ٹھہرو جلدی نہ کرو، سنو، مسلمان بھی اس ممی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر اس خیال کو جھٹک دیا کہ اس بات کا انکشاف ان کو کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بات تو صرف ماڈرن سائنس ہی کی روشنی میں مختلف جدید ترین کمپیوٹرائزڈ ایسے آلات کے ذریعے کیے گئے امتحانات کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے جو انتہائی حد تک دقیق معلومات بھی پوری صحت کے ساتھ بتا دیتے ہیں۔ کسی مسلمان نے اس سے کہہ دیا کہ ہمارا قرآن، جس پر ہمارا ایمان ہے وہ اس فرعون کے غرق ہونے کا قصہ بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ غرق ہوجانے کے بعد اس کا مردہ جسم صحیح و سالم رہے گا۔ اس کی حیرانی بڑھتی چلی گئی، وہ پوچھنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے، 1898ء سے پہلے اس ممی کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا جبکہ ان کا قرآن تو چودہ سو سال سے ان کے پاس محفوظ ہے؟ عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی، صرف عرب ہی نہیں پوری انسانیت میں سے کسی کو معلوم

نہ تھا کہ قدیم مصری لوگ اپنے فرعونوں کے مردہ جسموں کو محفوظ کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات تو لوگوں کو صرف چند دہائیاں پہلے معلوم ہوئی ہے۔ مورس بوکائے پوری رات فرعون کے مردہ جسم کے پاس بیٹھا سوچ بچار میں گم رہا۔

اسے رہ رہ کر اپنے کان میں کی جانے والی اس سرگوشی کا خیال آ جاتا جس میں اسے کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کا قرآن بتاتا ہے کہ غرق ہونے کے بعد فرعون کے مردہ جسم کو بچا لیا جائے گا۔ دوسری طرف ان کی کتاب مقدس صرف یہ بتاتی ہے کہ فرعون سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوگیا تھا لیکن فرعون کے مردہ جسم کا انجام کیا ہوا' اس کے بارے میں خاموش ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا: کیا یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے کہ یہ محفوظ شدہ ممی مصر کا وہ فرعون ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تھا؟ کیا یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے کہ محمدؐ اس بات کو چودہ سو سال پہلے جان چکے تھے جو مجھے اس وقت معلوم ہو رہی ہے؟

عابد محمود صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے بوکائے سعودی عرب گیا اور وہاں اس نے فرعون کی لاش کا ذکر کیا تو ایک مسلمان ڈاکٹر اٹھا اور اس نے اس کے سامنے جا کر قرآن کریم کھول دیا۔ وہ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد گرامی پڑھنے لگا ﴿**فاليوم ننجيك ببدنك لتكون لمن خلفك**.....آیہ﴾ ''ہم آج تیرے مردہ بدن کو محفوظ رکھیں گے تا کہ تو اپنے بعد آنے والوں کے لیے ایک عبرت کا نشان بنا رہے'' (یونس:92)

اس آیت کا تاثر اس کے قلب و ذہن پر بہت گہرا ہوا۔ وہ ایک دفعہ لرز کر رہ گیا۔ وہ اس وقت تمام حاضرین کے سامنے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پوری بلند آواز کے ساتھ اعلان کر دیا کہ ''میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میں اس قرآن کی صحت وصداقت پر ایمان لے آیا ہوں۔'' مورس بکائے جب واپس فرانس پہنچا تو وہ پہلے والا مورس بکائے نہیں تھا۔ وہ ایک بالکل بدلا ہوا شخص تھا۔ وہ فرانس میں دس سال رہا اور اب اس کا صرف ایک ہی کام تھا قرآن کریم کے ذکر و بیان سے مطابقت رکھنے والے جدید زمانے میں منکشف ہونے والے سائنسی حقائق کا مطالعہ۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن کریم کے بیان اور جدید سائنسی انکشافات میں کہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ "لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه' تنزیل من حکیم حمید۔" ''باطل نہ اس کے مقابلے پہ سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ ایک بڑے حکمت والے قابل تعریف کا نازل کردہ کلام ہے۔''

☆ رحم مادر میں تخلیق کے مدارج

رحم مادر میں بچے کی تخلیق کے مدارج (Embryology) کا علم جس تفصیل اور صحت کے ساتھ ہمیں اب حاصل ہے، وہ اب سے پہلے ممکن ہی نہ تھا کیونکہ رحم مادر کے اندر کا عمل فلمانے والے Microscopic Cameras ایجاد ہی نہیں ہوئے تھے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان کیمروں کی مدد سے جو حقائق سامنے آ رہے ہیں وہ قرآنی بیانات کے عین مطابق ہیں۔ دنیا کے مشہور ترین Embryologist ڈاکٹر کینتھ مور کے مطابق قرآن مجید اس علم یعنی Embryology میں وقت سے بہت آگے ہے۔ قرآن مجید Embryo کے دوسرے مرحلے کو ''علقہ'' یعنی جونک نما کہتا ہے۔ اس لفظ کی حقیقت پہلے کسی بھی انسان کی سمجھ سے باہر تھی۔ دو مسلمان ڈاکٹروں نے اس علم یعنی Embryology کے ماہر ترین ڈاکٹر کینتھ مور سے رابطہ کیا اور انھیں تحقیق پر آمادہ کیا۔ تحقیق کے نتیجے میں ڈاکٹر کینتھ مور پر حیرت ناک انکشاف ہوا کہ واقعی حمل کے تقریباً چوتھے ہفتے میں Embryo کی شکل ہو بہو جونک جیسی ہے اور جونک ہی کی طرح Uterus کی دیوار سے چپک کر ماں سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ ڈاکٹر مور نے کینیڈین ٹیلی ویژن پر انٹرویو میں اپنی ریسرچ کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

> ''آج سے پہلے کسی انسان کو اس حقیقت کا علم ہونا قطعاً ناممکن ہے کیونکہ Micro lenses ایجاد ہی اب ہوئے ہیں۔ چنانچہ محمد (ﷺ) کو اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ چودہ سو سال پرانی کتاب میں اس کے ذکر کی صرف اور صرف ایک ہی توجیح ہو سکتی ہے کہ یہ محمد (ﷺ) کو اس نے Reveal کیا ہے جو ہر چیز کا خود بنانے والا ہے۔''

ڈاکٹر مور نے اپنی کتاب میں Embryo کی اس Stage ''علقہ'' کو بیان کیا اور جونک اور علقہ کی تصاویر ساتھ ساتھ دی ہیں جنھیں دیکھ کر پہچاننا محال ہے کہ ان میں Embryo کون سا ہے اور جونک کون سی ہے۔ دیکھیے، قرآن مجید دوسری زندگی پر دلیل دیتے ہوئے کس خوبی سے Embryo کے مراحل بیان کر رہا ہے:

> ''اے لوگو! اگر تم، دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں شبہ میں ہو تو دیکھو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جونک نما لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ ایسا ہم نے اس لیے کیا تا کہ تم پر اپنی قدرت وحکمت اچھی طرح واضح کر دیں اور ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں رحموں میں ٹھہرا دیتے

ہیں ایک مدت معین کے لیے۔ پھر ہم تم کو ایک بچے کی شکل میں برآمد کرتے ہیں' پھر ایک وقت دیتے ہیں کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے بعض پہلے مرجاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ جاتے ہیں' حتیٰ کہ وہ کچھ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے۔'' (الحج 5:22)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا' ہم نے اسے ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا اور ایک محفوظ مستقر میں رکھا' پھر ہم نے بوند کو جونک کی سی شکل دی' پھر جونک کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پس لوتھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ' بہترین پیدا کرنے والا' پھر اس کے بعد لازماً مرنا ہے۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔'' (المومنون 23:12-16)

''پڑھ اپنے مالک کے نام سے جس نے تخلیق کیا انسان کو ایک جونک کی سی چیز سے۔''

(علق 96:1-2)

قرآن مجید ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب انسان کی افزائش نسل سے متعلق معلومات نہایت محدود تھیں۔ قرون وسطیٰ میں اور نسبتاً جدید زمانے تک بھی اس موضوع کو ہر قسم کی بے سروپا کہانیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ اس ضمن میں صحیح معلومات کا آغاز خردبین کی ایجاد کے بعد شروع ہوا۔ لہٰذا علم جنین (Embryology) کے بنیادی تصورات سے متعلق معلومات نزول قرآن اور اس کے بعد کی صدیوں تک نا معلوم تھیں' مگر حیرت انگیز طور پر قرآن افزائش نسل کے مراحل کو واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے اور کسی ایک مقام پر بھی ان کے غیر صحیح ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ قرآن میں ان مدارج سے متعلق ہر بات آسان لفظوں میں بیان کر دی گئی ہے جو آسانی سے انسان کی سمجھ میں آنے والی ہے اور صدیوں بعد دریافت ہونے والے حقائق سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً بارآوری کا عمل رقیق مادے کی نہایت قلیل مقدار سے انجام پانا' مرد کے مادہ منویہ کا بچے کی جنس کا ذمہ دار ہونا' بارآور شدہ بیضہ کا استقرار تین پردوں کے اندر ہونا اور رحم کے اندر Embryo کا ارتقا۔ ڈاکٹر موریس بوکائے کے بقول' چودہ سو سال پرانی کتاب کے ان بیانات اور جدید سائنس سے حاصل شدہ ان حقائق میں مطابقت کے نتیجے میں آدمی مکمل طور پر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ (بحوالہ: قرآن' کائنات اور انسان از پرویز ہاشمی)

ملک احمد سرور

جبل الطارق (جبرالٹر GIBRALTER)

موسیٰ سے موسیٰ تک

جبل الطارق، ہسپانیہ کے صوبہ قادس کے جنوب مغرب میں ہسپانیہ کی انتہائی جنوبی حد پر واقع محض چونے کے پتھر کی ایک چٹان ہی نہیں بلکہ جدید یورپ کی تاریخ کا پہلا سنگ تاریخ بھی ہے۔ جبل الطارق ہمیشہ سے بحیرۂ روم کی کلید رہی ہے۔ اس کا رقبہ 6.8 مربع کلومیٹر ہے جو واشنگٹن ڈی سی مال سے گیارہ گنا ہے۔ زمینی سرحد 1.2 کلومیٹر ہے جو سپین سے ملتی ہے جبکہ سمندر کے ساتھ ملنے والی سرحد کی لمبائی 12 کلومیٹر ہے۔ زرعی زمین بالکل نہیں ہے۔ اس کا بلند ترین مقام 426 میٹر ہے۔ اس کے مغرب میں خلیج کو خلیج جبل الطارق یا خلیج الجزیرۃ الخضراء کہتے ہیں۔ 2014ء میں اس کی آبادی 30000 تھی جو برطانوی، ہسپانوی، اطالوی، پرتگیزی، جرمن، مالیٹر اور مراکشی باشندوں پر مشتمل ہے۔ جبرالٹر دنیا میں سب سے زیادہ گنجان علاقہ شمار ہوتا ہے جہاں فی کلومیٹر 4667 افراد بستے ہیں۔ جی ڈی پی ایک ارب پونڈ ہے۔ فی کس آمدنی 27500 ڈالر ہے۔ سیاحت سب سے بڑا ذریعہ آمدن ہے۔ 2006ء میں جبرالٹر کی ایکسپورٹ 136 ملین ڈالر جبکہ امپورٹ 1.743 بلین ڈالر تھی۔ اگست گرم مہینہ ہوتا ہے جب درجہ حرارت 24 سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جبکہ جنوری دسمبر میں 13 سنٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ ایک عورت کے مقابل 1.05 مرد ہیں۔ شرح پیدائش 10.99 فی ہزار جبکہ شرح اموات 9.05 فی ہزار ہے۔ 1.65 بچے فی عورت اوسطاً پیدا ہوتے ہیں۔ انگریزی سرکاری زبان ہے جبکہ ہر نسلی اور قومیتی گروہ اپنی اپنی زبان بولتا ہے۔ 76.9 فیصد کیتھولک عیسائی ہیں جبکہ 6.9 فیصد کا تعلق چرچ آف انگلینڈ سے ہے۔ کم وبیش تمام بڑے عیسائی فرقوں اور ان کے گرجوں کا وجود موجود ہے۔ مسلمان 7 فیصد ہیں۔ یہودی 2.3 فیصد جبکہ 6.9 فیصد دیگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ برطانوی قانون رائج ہے اور کرنسی پاؤنڈ ہے۔ اہم مسجد ''ابراہیم الابراہیم مسجد'' ہے جو شاہ فہد مسجد کے نام سے بھی معروف ہے۔ یہ جبرالٹر کے جنوبی سرے پر یوروپا پوائنٹ (Europa Point) پر واقع ہے۔ یہ دو سال کے عرصہ میں 5 ملین پونڈ سے تعمیر ہوئی۔ یہ تمام اخراجات شاہ

فہد نے برداشت کیے۔ 8 اگست 1997ء کو اس مسجد کا افتتاح ہوا۔ مسجد کے احاطہ میں ایک سکول، لائبریری اور ایک لیکچر ہال بھی ہے۔ ایک ائر پورٹ بھی ہے۔ سڑکوں کی کل لمبائی 29 کلو میٹر ہے۔ دفاع کی ذمہ داری برطانیہ کی ہے اور برطانوی فوج کی ''رائل جبرالٹر رجمنٹ'' یہاں متعین ہے۔

جبرالٹر میں انسانی آبادکاری کے نشان وسطی حجری دور تک ملتے ہیں۔ 950 قبل مسیح میں جو لوگ سب سے پہلے یہاں آ کر آباد ہوئے وہ فونیشین تھے۔ فونیشیا یا فنیشیا اس علاقہ کا نام تھا جو ملک شام کے مغربی حصہ میں تھا اور بحر روم کا مشرقی ساحل۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صدیوں قبل اس علاقہ میں زبردست اور تجارت پیشہ قوم رہتی تھی جسے مؤرخین فونیشیا لکھتے ہیں۔ فلسطین پر قبضہ کر کے بحر قلزم کے راستہ ہندوستان وچین تک اور آبنائے جبل الطارق کے راستہ سے انگلستان تک ان کی تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ اپنے دور کی وہ سب سے بڑی بحری طاقت کے مالک تھے۔ ان کے بعد کارتھیجیں (قرطاجنی) اور رومن آئے۔ فونیشین اور قرطاجنی دونوں آتش اور ستارہ پرست تھے۔ رومنوں کے بعد جبرالٹر جرمانیوں یا جرمانکوں (VANDALS) کے زیر قبضہ آ گیا۔ ان کے بعد جبرالٹر ہسپانیہ کی وسی گاتھ بادشاہت کا حصہ بن گیا۔

اہل فونیشیا نے خلیج جبرالٹر کی چوٹی پر CARTERIA نام کے شہر کی بنیاد رکھی۔ چٹان ایک عبادت گاہ کا روپ اختیار کر گئی جہاں ملاح آتے اور بحر اوقیانوس میں اترنے سے پہلے دیوتاؤں (بتوں) کے حضور قربانی اور نذر و نیاز پیش کرتے۔ ایک زمانہ میں چٹان کو منارہ ہرقل یا ہرکولیس یا ہرکولیس کا یورپی ستون بھی کہا جاتا تھا (کالپہ (CALPE) یا ابیلا مونز (ABYLA MONS) بھی کہا جاتا تھا)

یہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک (705ء تا 715ء) کا دور تھا جب شمالی افریقہ کے حاکم موسیٰ بن نصیر کو ظلمت کدۂ یورپ کو شمع توحید سے روشن کرنے کا موقع ملا۔ یورپ کے خطہ ہسپانیہ (اسپین یا اندلس) کو افریقہ سے سمندر کی پندرہ اور بعض جگہ صرف 10 میل کی چوڑی پٹی الگ کرتی تھی۔ موسیٰ کی حکومت مصر سے لے کر باستثنائے سیوطا (یا سبطہ) کے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سیوطا پر ایک یونانی سردار کونٹ جولین (یولیان بھی لکھتے ہیں) ہسپانوی بادشاہ راڈرک (رذیق یا لرزیق) کے ماتحت رومی قیصر کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ہسپانیہ پر گاتھ قوم کی حکومت تھی جو عیسائیت قبول کر چکی تھی۔ حکومت پر پادریوں کی

مکمل گرفت تھی۔ یہودی اقلیت کی حالت نا قابل بیان تھی۔عوام بھی مہنگائی' ناانصافی اور ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔متمول اور امراء ہر قسم کے ٹیکسوں سے بری تھے۔سارا بوجھ محنت کشوں اور درمیانی طبقہ پر تھا۔زراعت غریب کاشتکاروں کے ہاتھ میں تھی یا غلاموں کے جن سے ان کے نگران چابک اور ڈنڈے مار مار کر حیوانوں کی طرح کام لیتے تھے۔یہ کاشتکار اور غلام اپنی آزادی سے مایوس ہو کر اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔دن رات کی تمام تر محنت کے باوجود کوئی کاشتکار اور غلام کسی چیز کو اپنی چیز نہیں سمجھ سکتا تھا۔یہ لوگ آقاؤں کی اجازت کے بغیر شادی تک نہ کر سکتے تھے۔اگر دو قریبی جاگیروں کے کاشتکار آپس میں شادی کر لیتے تو ان کے بچے دونوں جاگیروں میں برابر برابر بانٹ دیے جاتے۔یہودی جنہوں نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی' بیوی بچوں سمیت سب غلام بنا لیے گئے تھے۔کسی یہودی لونڈی کو عیسائی غلام کے سوا کسی اور سے شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔بادشاہ اور عیسائی پادریوں کے ظلم وجبر سے جاں بلب مظلوم ہسپانوی بھاگ کر مسلم افریقہ میں پناہ لیتے تھے۔

سیوطا کے حاکم کونٹ جولین کی ایک بیٹی فلورنڈا تھی جو راڈرک سے پہلے بادشاہ وٹیزا کی نواسی بھی تھی۔راڈرک نے وٹیزا کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا تھا۔اس دور میں یہ دستور تھا کہ سرداروں' گورنروں' سپہ سالاروں اور بلند مرتبہ لوگوں کے بچے شاہی محل میں پرورش پاتے اور آداب دربار سیکھتے۔کونٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا بھی قصر شاہی میں پرورش پا رہی تھی۔وہ جوان اور خوبصورت بھی تھی۔بوڑھا راڈرک اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور اس نے اس کی جبری عصمت دری کر ڈالی۔فلورنڈا نے کسی طرح اپنے باپ کو اپنے اوپر ہونے والے اس ظلم کی اطلاع کی اور کہا کہ ''مجھے اس قصر شاہی سے باہر نکالو۔'' جولین کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا مگر مصلحت وحکمت سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنے غصہ پر قابو پایا۔اپنی ناراضی کو پوشیدہ رکھا۔شاہی دربار میں حاضر ہو کر اپنی بیوی کے بیمار ہونے اور مرنے سے پہلے اپنی بیٹی (یعنی فلورنڈا) کو دیکھنے کی خواہش بیان کر کے فلورنڈا کو واپس لے جانے کی اجازت مانگی۔یہ ایک ایسا بہانا تھا کہ راڈرک نے اجازت دے دی۔جولین راڈرک سے انتقام لینے کا پکا ارادہ کر چکا تھا' جب راڈرک نے اسے اعلیٰ قسم کے باز بھیجنے کا کہا تو اس نے جواب دیا:

''میں آپ کے لیے ایسے باز لے کر آؤں گا جو آپ نے عمر بھر نہ دیکھے ہوں گے۔''

وہ اپنی بیٹی کو لے کر سیوطا آ گیا مگر انتقام کی آگ سے اس کی نیند ختم ہو چکی تھی۔قدیم

شاہی خاندان (وٹیزا) کے حامیوں میں سے جسے بھی معلوم ہوا' وہ جولین کے پاس پہنچا۔ اشبیلیہ کا اُسقف بھی آیا۔ جولین اسقف کے ہمراہ موسیٰ بن نصیر کے دربار میں حاضر ہوا اور راڈرک کے ظلم وجبر اور خود جو ظلم اس کی بیٹی کے ساتھ ہوا تھا' اس سے آگاہ کیا۔ موسیٰ یہ سب سن کر متامل ہوا اور اس نے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا۔ جولین اور اسقف نے کہا: ''اندلس پر ایک شخص غاصبانہ طور پر مسلط ہے' اندلس کی رعایا کے لیے وہ قہرِ الٰہی بنا ہوا ہے۔ بنی نوع انسان کے حقوق جو آپ پر عائد ہوتے ہیں' ان کو ادا کریں اور اہل اندلس کو اس جہنم سے نجات دلائیں جس میں وہ آج مبتلا ہیں۔ بجز آپ کے دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جس کے پاس ہم اپنی فریاد لے کر جائیں اور اس مصیبت سے آزادی پائیں۔'' موسیٰ بن نصیر کا دل پسیج گیا اور اس نے اہل اندلس کی مدد کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اندلس کی فوجی طاقت کے متعلق سوالات پوچھے اور حملہ کی اجازت کے لیے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں قاصد روانہ کر دیا۔

جولین کے ساتھ اپنے ایک سردار طریف کو پانچ سو افراد کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ساحل اندلس پر اتر کر وہاں کے حالات کا پتہ کرے کہ آیا وہ ایسے ہی ہیں جیسا جولین بتا رہا ہے یا اس سے مختلف ہیں۔ وہ 91ہجری میں بندرگاہ الخضرا پر اترا اور واپس آ کر اس نے جولین کی باتوں کی تصدیق کر دی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے بھی حملہ کی اجازت مل گئی۔

موسیٰ بن نصیر نے طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابن زیاد نہایت پر جوش اور بلند ہمت سپہ سالار تھا۔ اس نے سات ہزار مجاہدین کا لشکر ہمراہ لیا۔ لشکر میں اکثریت بربروں کی تھی۔ 92ہجری میں یہ رجب کا مہینہ تھا' رجب وہ مہینہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کو سفر معراج کی سعادت نصیب ہوئی۔ 27اپریل 711ء (بعض مؤرخین نے تاریخ 30اپریل لکھی ہے) کی رات کو طارق بن زیاد نے طنجہ کے بجائے سیوطا کے ساحل سے خلیج کو پار کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ طارق ابھی آبنائے کے وسط میں تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تمہارے ہاتھوں اندلس فتح ہو جائے گا۔'' اس خواب سے طارق کا اعتماد بڑھا اور فتح کا یقین پختہ ہو گیا۔

خلیج کے پار اندلس کی وہ ساحلی چٹان جسے سب سے پہلے مجاہدین اسلام کی قدم بوسی کا اعزاز حاصل ہوا' تاریخ وجغرافیہ میں وہ ''جبل الطارق'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کا دوسرا نام جبل الفتح بھی ہے۔ یہی وہ یادگار تاریخی مقام ہے جہاں کشتی سوزانی کا معروف واقعہ پیش آیا اور

حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی قطعہ میں جس کی یوں تصویر کشی کی ؎

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترک سبب زروئے شریعت کجا رداست؟
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد وگفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ساحل اندلس پر جب طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا ڈالیں تو اس کے ساتھیوں نے کہا: ''تیرا یہ کام عقل وشعور کے لحاظ سے غلط ہے۔ ہم اپنے وطن کی سرزمین سے بہت دور ہیں' واپس کیسے پہنچیں گے؟ شریعت میں اسباب کو ترک کرنے کی اجازت کہاں ہے؟ طارق مسکرایا اور اس نے اپنا ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھا اور یوں گویا ہوا: ''ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔''

اس کے بعد اس نے پہاڑی کو جنگی قلعہ میں بدلا اور وہاں سے اندلس کے قریبی صوبہ الجیراس کی طرف بڑھا جس پر راڈرک کی طرف سے تھیوڈ میر حکمران تھا۔ تھیوڈ میر (یا تدمیر) کو جونہی اطلاع ملی وہ ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر اسے بدترین ہزیمت کے بعد بھاگنا پڑا۔ اس کی پریشانی اور حواس باختگی کا اندازہ اس کی اس اطلاع کے نفس مضمون سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے راڈرک کو دی' اس نے کہا:

''اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ میں ان کا نام جانتا ہوں' نہ وطن اور نہ اصل ونسل۔ میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں' آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔''

راڈرک ان دنوں اندلس کے شمالی علاقہ میں ایک بغاوت کو کچلنے میں مصروف تھا' اطلاع ملتے ہی وہ دارالحکومت لوٹا اور سرداروں کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے لشکروں کے ساتھ فوراً دارالحکومت پہنچیں۔ راڈرک کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ فوج اکٹھی ہو گئی۔ طارق کی درخواست پر موسیٰ نے مزید پانچ ہزار جوان بھیجے۔ اس طرح مسلم سپاہ کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ دونوں فوجوں کا تعداد کے لحاظ سے کوئی موزانہ نہ تھا۔ ایک طرف صرف 12 ہزار عسکری

تھے اور وہ بھی ایک اجنبی سرزمین پر' شکست کی صورت میں جن کے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا' ان کی پشت پر سمندر تھا اور جہاز جلائے جا چکے تھے۔ دوسری طرف ایک لاکھ سے بڑا لشکر تھا' اپنا ملک تھا اور لشکر میں اضافے کا بھی امکان تھا۔ 28 رمضان المبارک 92 ہجری (جولائی 711ء) کو دونوں فوجیں مدینہ سڈونیا کے شمال میں دریائے گواڈمٹ (دریائے وادی العزیز) کے کنارے پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ طارق بن زیاد نے اپنی قلیل تعداد سپاہ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اس موقع پر جو جذبات انگیز تقریر کی اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

''اے مجاہدین اسلام! میدان جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے' سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے۔ تعداد اور سامان جنگ کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اگر تم نے ذرا کم ہمتی دکھائی تو صفحہ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئے گا لیکن اگر تم نے جرأت وہمت دکھائی تو اس ملک کی دولت وثروت تمہاری جوتیوں کی خاک ہوگی۔ امیر المومنین نے تمہاری بہادری وجانبازی پر اعتماد کر کے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دین اسلام کے لیے اس جزیرہ میں بھیجا ہے۔ خداوند قدوس اس مقدس مہم میں جس کا ذکر رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جسے عالم آخرت میں بھی بھلایا نہ جائے گا' تمہاری مدد کرے گا۔ میدان جنگ میں میرا قدم تم سے آگے رہے گا۔ میں اندلس کے بادشاہ راڈرک پر حملہ کروں گا' تم بھی میرے ساتھ دشمن پر پل پڑنا۔ اگر میں دشمن کو ہلاک کرنے سے پہلے راہ خدا میں شہید ہو جاؤں تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح ونصرت سے ہم کنار ہونا۔''

یہ تھا وہ پس منظر اور بنیادی نظریہ' اندلس کی عظیم الشان فتح اور یورپ میں ایک عظیم الشان سلطنت کے قیام کا۔ راڈرک کا لشکرِ کثیر دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور وہ خود ہاتھی دانت کی بنی ہوئی گاڑی پر سوار تھا جس پر چاندی کا بھی کام کیا ہوا تھا۔ گاڑی کو سفید شاہی خچر کھینچ رہے تھے۔ سر پر سنہری تاج تھا جو نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اتنے بڑے لشکر کا' جو ہر طرح کے جدید اسلحہ سے لیس تھا' صرف 12 ہزار کی معمولی حملہ آور سپاہ سے مقابلہ تھا۔ راڈرک کیا' دنیا کا کوئی بھی عسکری ماہر طارق کے لشکر کی فتح کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے راڈرک کے لشکر میں کئی ہزار بار برداری کے جانوروں پر جنگی قیدیوں کو باندھنے کا سامان لدھا ہوا تھا۔ مسلم سپاہ نے' نعرہ تکبیر

بلند کیا۔ راڈرک نے بڑی مستعدی سے حملے کو روکا۔ وقفوں وقفوں سے ایک ہفتہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر 5 شوال کی صبح کو فیصلہ کن معرکہ شروع ہوا۔ بلا شبہ اندلسی عیسائی بڑی بہادری سے لڑے مگر اسلام کی تلواروں کے سامنے زیادہ دیر نہ جم سکے۔ طارق بن زیاد نے ایک زور دار حملہ کیا۔ اندلسی فوج ہی نہیں راڈرک بھی بھاگ اٹھا۔ عیسائی فوج اس قدر حواس باختہ ہوگئی کہ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس کی پشت پر تندوتیز دریا ہے۔ ہزاروں عیسائی متلاطم موجوں کی نذر ہو گئے۔ راڈرک بھی دریائے وادی العزیز میں ڈوب گیا۔ اس کا مرصع جوتا اور کچھ دوسرا سامان دریا کے کنارے ملا۔ عیسائی پادری جو شیطانی عقائد گھڑنے میں مہارت رکھتے ہیں' نے فوراً ایک عقیدہ تراشا اور لوگوں میں پھیلا دیا کہ'' راڈرک سمندر کے اندر کسی جزیرے میں محفوظ ہے اور اپنے زخموں کے اچھا ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ خداوند کی مدد سے واپس آئے گا' عیسائی لشکروں کی کمانڈ کرے گا اور کافروں (مسلمانوں) پر فتح پائے گا۔'' یہ عقیدہ صدیوں قائم رہا۔

یہ فیصلہ کن معرکہ 19 جولائی 711ء کو دریائے وادی العزیز کے کنارے پر ہوا مگر ایک مؤرخ ڈوزی کا کہنا ہے کہ دریائے وادی بکہ کے کناروں پر ہوا جسے دریائے سلادو بھی کہا جاتا ہے۔ مظلوم کسانوں' مزدوروں' یہودیوں اور غریب عوام نے راڈرک کی شکست پر جشن منایا اور مسلم سپاہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جبل الطارق سے شروع ہونے والا سفر اندلس کی جہالتوں' تاریکیوں اور حکمرانوں کے مظالم کو مٹاتا اور جبری مشقت کے نشانوں کو ختم کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا ہی گیا۔ دو سالوں کے اندر اندر سارا ہسپانیہ کوہ پیرنیز تک ظالم عیسائی حکمرانوں اور پادریوں کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ موسیٰ فرانس کی طرف بڑھا اور اس نے سارے یورپ کو آزاد کرانے کا ارادہ کر لیا مگر ولید نے منع کر دیا اور یوں یورپ کا ایک حصہ آٹھ صدیوں تک جہالت وتاریکی میں ڈوبا رہا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ ''موسیٰ اور طارق کی واپسی کے متعلق ولید کے پاس کیسی ہی زبردست وجہ کیوں نہ ہو مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا یہ حکم اسلام کے لیے تباہی بخش ثابت ہوا۔ موسیٰ کے چلے جانے سے عیسائی پلیو کو پہاڑیوں کو مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور وہاں اس نے اس سلطنت کا سنگ بنیاد رکھ دیا جو بعد میں ہسپانیہ کی جنوبی مسلم ریاستوں کی تباہی کا باعث بنی۔'' مقری لکھتا ہے کہ '' کاش لگے ہاتھوں مسلمان اس چنگاری کو بھی بجھا دیتے جس نے آخر شعلہ زن ہو کر ہسپانیہ کی اسلامی ریاستوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔''

ہسپانیہ میں مسلم اقتدار قائم ہوتے ہی بدمعاش صلیبی جماعتوں' پادریوں اور ذی اختیار امراء

کے ظالمانہ حقوق واختیارات ختم کر دیے گئے۔صنعت وحرفت کی ترقی کے لیے مراعات کا اعلان کیا گیا۔ٹیکسوں میں کمی کر کے انہیں برائے نام کر دیا گیا۔زمین کا لگان نہایت خفیف رکھا گیا اور وہ بھی حسب حیثیت لیا جاتا یعنی پیداوار کے مطابق لیا جاتا تھا۔عورتوں' بچوں' لولوں لنگڑوں' اندھوں' بیماروں' گداگروں' تارک الدنیا پجاریوں اور غلاموں کو ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ یہودیوں کو غیر مشروط مذہبی آزادی دے دی گئی۔عیسائیوں کو بھی اپنے مذہب پر قائم رہنے کا حق حاصل رہا۔

مؤرخین کے مطابق ہسپانیہ میں مسلمانوں کی فتح سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے جنہیں عیسائی دور میں حیوانوں کی طرح رکھا جاتا تھا مگر اب وہ انسان سمجھے جانے لگے تھے۔مشہور مؤرخ ارقام لکھتا ہے:''مسلمانوں نے ایک ایسی سلطنت قائم کی جو زمانۂ وسطیٰ کا عجوبہ تھی جبکہ یورپ جہالت وتاریکی کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔مسلمان علم وتہذیب کی مشعل کو یورپ کے سامنے روشن کیے ہوئے تھے۔''

حقیقت یہی ہے کہ ہسپانیہ جو مدتوں کے مظالم سے لعنت بنا ہوا تھا' اب یورپی ممالک میں سب سے زیادہ آباد اور کاروباری ملک بن گیا۔مسلمانوں نے ہسپانیہ کو رشک گلزار بنا دیا اور لوگوں کو علم وہنر سیکھنے کی ترغیب دی۔عدل وانصاف سے امن ہی قائم نہ کیا سائنس کے تمام علوم میں بھی بے مثال ترقی کی اور یہی ترقی جدید یورپ کی بنیاد بنی۔

گردش افلاک جاری رہی' اندلس کے مسلمان حکمران بدلتے رہے اور اندلس کی ہر صبح ایک نیا علم' نیا ہنر' نئی تحقیق اور ترقی کا ایک نیا زینہ لیے طلوع ہوتی رہی۔اور پھر مسلمانوں پر اقتدار کی ہوس غالب آ گئی' اقتدار کی کرسی کے لیے وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔عیسائیوں کی مدد سے وہ ایک دوسرے کے تختے الٹنے اور قتل کرنے لگے۔ 1031ء میں اندلس کی عظیم سلطنت تقریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھی جو ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر اپنی طاقت بتدریج کھوتی چلی گئیں۔ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بادشاہوں نے اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاک کر ڈالا۔تیرھویں صدی عیسوی میں اندلس میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا اور وہ جنوب کے علاقوں میں سمٹتے چلے گئے۔ان چھوٹی چھوٹی باقی رہ جانے والی ریاستوں میں سب سے آخری اور طاقتور سلطنت غرناطہ (1232ء تا 1492ء) تھی جو جنوب میں بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں المیریہ اور جبل الطارق تک اور شمال میں رندہ اور البیرہ کے پہاڑی سلسلے تک

محدود تھی۔ یہ بھی اپنے سقوط تک سازشوں اور خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں رہی۔ غرناطہ کو آزاد رکھنے اور ہسپانیہ میں مسلمانوں کی بقا کی آخری قابل ذکر کوشش ابوالحسن شاہ غرناطہ نے کی۔ وہ ایک بہادر اور جرأت مند انسان تھا مگر سازشوں کا مقابلہ کرنے کی بصیرت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے یہ سوچے بغیر کہ غرناطہ کے گلی کوچوں میں ہی نہیں اس کے اپنے گھر میں بھی سازشی بیٹھے ہوئے ہیں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کی مشترکہ طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔ ازابیلا اور فرڈی نینڈ نے باہم شادی کے بعد اپنی سلطنت کو وسعت واستحکام دینے کے بعد ابوالحسن کو پیغام بھیجا کہ ''تمہارا باب شاہ قسطیلہ کو خراج دیتا تھا' تم بھی بدستور خراج ادا کرو اور جو واجب الادا ہے' وہ بھی جلد ارسال کر دو۔'' ابوالحسن نے غرناطہ کے سازشیوں کی سازشوں پر غور نہ کیا اور ایک مسلمان جرنیل کی طرح عیسائی بادشاہ کے قاصد کو جواب دیا:

''اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ جو بادشاہ خراج دیتے تھے وہ مر چکے ہیں' اب ہماری ٹکسال میں سونے کے سکے تیار نہیں ہوتے بلکہ ان کی بجائے تیر وسنان بنائے جاتے ہیں۔''

ابوالحسن نے کئی اہم علاقوں کو عیسائیوں سے آزاد بھی کرا لیا مگر بیوی بیٹوں نے وہ سازش کی کہ اس کے سارے ہی منصوبے دھرے رہ گئے۔ ابوالحسن لوشہ کے مقام پر شاہ قسطیلہ سے نبرد آزما تھا کہ اس کے بیٹوں ابوعبداللہ اور یوسف نے باپ کے خلاف بغاوت کر کے غرناطہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہ قسطیلہ نے اس بغاوت سے فائدہ اٹھا کر مالقہ پر حملہ کیا مگر بہادر ابوالحسن کی سپاہ نے کئی عیسائی جرنیلوں اور دس ہزار سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ اب باغی بیٹے ابو عبداللہ نے بھی مالقہ پر حملہ کر دیا مگر باپ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ ابوعبداللہ اپنی حماقتوں کے باعث عیسائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور شاہ قسطیلہ فرڈی نینڈ نے اسے اپنا آلۂ کار بنا لیا۔ ابوالحسن نے اپنے بیٹے کی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث مایوس ہو کر امور مملکت اپنے بھائی عبداللہ الزاغل کے حوالے کر دیے۔ فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ کو الزاغل کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ کے ذریعے مسلمانوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔ الزاغل کی تباہی وبربادی پر ابو عبداللہ جسے بوعبدل بھی کہا جاتا ہے' بہت خوش تھا مگر الزاغل سے فارغ ہونے کے بعد فرڈی نینڈ نے بوعبدل کو بھی غرناطہ خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ بوعبدل کے انکار پر 896 ہجری میں غرناطہ کا محاصرہ کر لیا جو سات آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر غرناطہ کے مسلمانوں نے عثمانی خلیفہ بایزید ثانی سے مدد مانگی اور اسے لکھا:

''صدیوں سے عیسائی ہم کو دبائے چلے آ رہے ہیں' اب ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ ہم کو ہر طرح کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ اب ہم مسلمان غلام بنا لیے گئے ہیں۔ جن مشکلات اور مصائب میں ہم گرفتار ہیں' ان کا آخری نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ اسلام کا نام ونشان اس ملک سے مٹ جائے گا اور کوئی مسلمان باقی نہ بچے گا۔''

عیسائی مؤرخ مسٹر اسکارٹ لکھتا ہے کہ ''یہ تحریر پڑھ کر سلطان بایزید ثانی پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے دو راہبوں کو روم بھیجا اور پوپ کو دھمکی دی کہ اگر مسلمانان اندلس پر یہ ظلم جاری رہا تو اس کا بدلہ وہ ترکی کی عیسائی رعایا سے لیں گے' اس لیے فوراً اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لا کر اپنے ہم مذہبوں کو ان حرکتوں سے روکو جو وہ کر رہے ہیں۔''

پوپ نے بایزید ثانی کے ایلچیوں کو اپنا خط دے کر فرڈی نینڈ کے پاس بھیج دیا مگر اس نے اس خط کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس زمانے میں بایزید امیر مصر سے برسرپیکار تھا۔ فرڈی نینڈ نے اس سے مدد کا وعدہ کیا جس کی بنا پر اسے مسلمانان اندلس سے ہمدردی جاتی رہی اور بقول اسکارٹ: ''اسلام کے نام لیواؤں کو اپنے حال اور اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔''

تاریخ اندلس کا یہ عبرت انگیز سبق ہے کہ جو آپس میں لڑ کر کمزور ہوتے ہیں' برے وقت ان کی مدد کے لیے کوئی نہیں آتا۔ 2 جنوری 1492ء کو غرناطہ ایک معاہدے کے تحت شاہ قسطیلہ کے حوالے کر دیا گیا۔ معاہدے میں اگرچہ مسلمانوں کی جان' مال اور عقیدے کی حفاظت کی شرائط درج تھیں مگر ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ ہوا۔ بوعبدل نے ایک معاہدہ اپنی ذات کے لیے بھی کیا تھا جس کے تحت شاہ قسطیلہ بوعبدل کو غرناطہ چھوڑنے کے عوض ایک کروڑ چالیس لاکھ پانسو دے گا اور بحری سفر کے اخراجات بھی برداشت کرے گا۔ بوعبدل تو غرناطہ دے کر چلا گیا لیکن مسلمانوں پر جو بیتی وہ ایک ایسی خونچکاں داستان ہے کہ ہر کوئی اسے پڑھنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ مسلمانوں پر ظلم ہی ظلم تھا' جبر ہی جبر تھا اور ہر طرف ان کا خون ہی خون گر رہا تھا اور یہ اس وقت تک گرتا رہا جب تک ایک بھی مسلمان اندلس میں موجود رہا۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ پانسو بوعبدل کے خاندان کو عزت کا لقمہ بھی نہ دے سکے اور المقری لکھتا ہے کہ ''جس وقت میں فاس میں اپنی تاریخ لکھ رہا تھا (1627ء) بوعبدل کے خاندان کی گزر اوقات خیرات پر ہو رہی تھی۔''

مسلمان اندلس پر عیسائیوں کے مظالم کی داستان جتنی دردناک ہے اتنی ہی طویل بھی ہے

اور اس مضمون میں تو اس کی جھلکیاں بھی پیش نہیں کی جا سکتیں۔ مرکھپ کر جو تیس لاکھ مسلمان بچے تھے انہیں افریقہ روانہ کیا گیا تو ان میں سے تین چوتھائی کو نصرانی درندوں نے راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اندلس کا ذکر بزدل وسازشی بوعبدل کے حیرت انگیز انجام پر ختم نہیں ہونا چاہیے' اندلس کی تاریخ کا صفحہ موسیٰ کے حکم پر الٹا تھا جو ایک بہادر جرنیل تھا اور اتفاق سے اندلس کی مسلم تاریخ کے آخری صفحہ پر بھی ایک موسیٰ نامی بہادر جرنیل ہی کا ذکر ہے۔

جب بوعبدل نے غرناطہ کو عیسائیوں کے حوالے کرنے سے قبل مشاورت کی تو تمام مشیروں وزیروں نے غرناطہ حوالے کرنے کی حمایت کی مگر موسیٰ نے مخالفت کرتے ہوئے کہا:

''دشمن کے وعدوں پر اعتبار نہ کرو' وہ بڑے بے ایمان اور عہد شکن ہیں۔ ہمت کرو اور محاصرہ توڑ کر نکل جاؤ' اگر کامیاب ہو گئے تو لاکھوں پائے (یعنی جان بچی لاکھوں پائے) اگر مارے گئے تو بہادروں کی موت مر کر شہید کہلاؤ گے' بہشت میں جگہ پاؤ گے۔ غلاموں کی زندگی بسر کرنے سے موت اچھی ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اہل قسطیلہ اپنے وعدوں کو پورا کریں گے؟ اے بھائیو! تم دھوکے میں ہو' خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ دشمن تمہارے خون کا پیاسا ہے۔ موت تو ہمیں شہادت کا تاج پہنائے گی مگر عیسائیوں کی متابعت دربدر پھرائے گی۔ وہ ہمیں کتوں کی موت ماریں گے۔ ہم نا انصافی' ظلم اور جبر کا شکار ہو جائیں گے۔ دیکھو! انہوں نے ہمیں جلا کر خاکستر کرنے کے لیے آگ پہلے ہی تیار کر رکھی ہے۔''

(نوٹ:..... آگ سے مراد عیسائیوں کی مذہبی عدالتیں ہیں جو یہودیوں اور مسلمانوں کو زندہ جلانے کی سزا دیتی تھیں)

موسیٰ کی اس تقریر کا مجلس مشاورت کے شرکاء پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مایوس ہو کر اس نے نفرت کی ایک نگاہ ان پر ڈالی' گھوڑا منگوایا اور سوار ہو کر شہر سے باہر نکل گیا۔ شہر سے باہر عیسائی جنگجوؤں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ اس نے جرأت وبہادری سے تنہا ان کا مقابلہ کیا اور بہتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ جب اس کا گھوڑا زخموں سے چور چور ہو کر مر گیا تو وہ گھٹنوں کے بل پر دشمن پر وار کرنے لگا۔ عیسائیوں نے جان بخشی کا وعدہ کیا مگر وہ ایسی زندگی سے موت کو ہزار درجہ بہتر سمجھتا تھا۔ لڑتا رہا' آخر جب تھک کر سخت کمزور ہو گیا تو اپنے آپ کو اس نے دریائے زنیل

میں گرا دیا۔ وہ بھاری زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا' اس لیے گرتے ہی تہہ نشین ہو گیا۔ اس نے پانی کی تہہ میں ڈوب کر اندلس کی مسلم تاریخ کے آخری صفحہ پر غیرت وبہادری کے جو نقوش چھوڑے وہ آج بھی انمٹ ہیں اور میدان کارزار کے مجاہدوں کے لیے قابل تقلید نمونہ۔

''جبل الطارق'' اس تحریر کے عنوان کی ابھی کچھ باتیں باقی ہیں۔

1160ء تک یعنی چار صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ کے دوران میں جبل الطارق کے علاقہ میں کوئی قابل ذکر تعمیر نہ ہوئی۔ 1160ء میں خلیفہ عبدالمومن الموحد نے اپنے لڑکے اور جانشین یوسف' عامل اشبیلیہ کو حکم دیا کہ جبل الطارق میں ایک نیا شہر تعمیر کیا جائے جس میں ایک مسجد' خلیفہ کا محل' اعلیٰ سول اور فوجی حکام کے بڑے بڑے مکانات کے علاوہ باغات اور باغیچے بھی ہوں۔ 19 مئی 1160ء کو اس شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ انجینئر الحدیدی کی نگرانی میں شہر تعمیر ہوا۔ نومبر 1160ء میں خلیفہ عبدالمومن نے آبنائے طارق کو عبور کر کے شہر جبل الطارق کا دورہ کیا اور اس شہر کا نام مدینۃ الفتح رکھا۔ دو ماہ تک خلیفہ نے وہاں قیام کیا اور اپنے ماتحت سلطانوں کو بھی شہر دیکھنے کی دعوت دی۔ چٹان کی چوٹی پر ایک بہت بڑی ہون چکی (WINDMILL) بنائی گئی جسے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔

1309ء میں (ALONSO PEREZ De GUZMAN el BUENO نے فرڈی نینڈ چہارم شاہ قسطیلہ کی طرف سے مدینۃ الفتح یعنی شہر جبل الطارق پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت شہر جبل الطارق میں 1500 باشندے تھے جنہیں شمالی افریقہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ مسلمانوں سے شہر خالی ہونے کے باوجود عیسائیوں نے اسے ایک خطرناک علاقہ سمجھا اور یہاں آباد ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ 1333ء میں مراکش کے بنومرین حکمران ابوعبداللہ محمد جو ایک زبردست حکمران تھا' نے جبل الطارق شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ساڑھے چار ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلم سپاہ مدینۃ الفتح واپس لینے میں کامیاب ہو گئی۔ 1374ء میں ایک معاہدے کے تحت یہ شہر سلطنت غرناطہ کے حوالے کر دیا گیا۔ محمد اکبر شاہ نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ مراکش میں ابو سالم کے فوت ہونے پر اس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ شاہ قسطیلہ اور اس کے بھائی کے درمیان بھی لڑائی چھڑ گئی' اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان محمد' پنجم نے قلعہ جبل الطارق پر قبضہ کر لیا۔ جب سلطان محمد جبل الطارق کی قلعہ بندیوں کا معائنہ کر کے واپس آ رہا تھا تو گھات میں بیٹھے سازشیوں نے قتل کر دیا۔

اس کے بعد غرناطہ کے ناصری سلطان ابوالحجاج یوسف ثالث نے 1410ء میں بنومرین ہی کے ہاتھوں سے اسے چھینا۔ جب وہ شاہ قسطیلہ سے نبرد آزما تھا' مراکش کے ایک لشکر نے شہزادہ ابوسعید کی قیادت میں قلعہ جبل الطارق پر حملہ کر دیا۔ سلطان یوسف نے اپنے بھائی احمد کو فوج دے کر جبل الطارق بچانے کے لیے بھیجا۔ دونوں شہزادوں میں صلح ہو گئی۔ احمد ابوسعید کو مہمان بنا کر غرناطہ لے آیا۔ مراکش کے بادشاہ نے جو ابوسعید کا بڑا بھائی تھا' یوسف ثالث کو لکھا کہ کسی طرح ابوسعید کو وہیں قتل کرا دو۔ یوسف نے یہ خط ابوسعید کو دکھایا کہ تمہارے بھائی نے صرف تمہیں مروانے کے لیے جبل الطارق پر حملہ کرنے کا کہا تھا۔ 820 ہجری میں ابوسعید یوسف ثالث کی مدد سے مراکش پر قابض ہو گیا۔

20 اگست 1462ء کو مدینہ سدونیا (Medina Sidonia) کے ڈیوک قزمان (GUZMAN) نے ہنری چہارم شاہ قسطیلہ کے نام سے اسے فتح کر لیا۔ اب مسلمان اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ ان کے اندر واپس لینے کی ہمت نہ تھی۔ وہ تو آپس میں دست و گریبان تھے اور ایک دوسرے کو مروانے کے لیے عیسائیوں سے مدد لے رہے تھے' اس لیے وہ جبل الطارق واپس لینے کے لیے عیسائیوں سے کیوں اور کیسے لڑتے۔

1492ء میں شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کا غرناطہ پر قبضہ ہو گیا تو ہسپانیہ سے شمالی افریقہ کی طرف بھاگنے والے یہودیوں کی بڑی تعداد نے جبل الطارق سے آ بنائے کو پار کیا۔

1501ء تک جبل الطارق شہر قزمانوں کی موروثی جاگیر بنا رہا۔ 2 دسمبر 1501ء کو ملکہ ازابیلا نے ایک حکم کے ذریعے اسے شاہی ملکیت قرار دے دیا۔ 1540ء میں چارلس پنجم نے اسے اچھی طرح مستحکم کر دیا۔ ایک حفاظتی دیوار تعمیر کی گئی جو چٹان کی چوٹی تک جاتی تھی۔

1610ء میں امیر البحر منڈوزا نے ان لاکھوں مسلمانوں کو جنہیں ہسپانیہ سے نکالا گیا واپس افریقہ بھیجنے کے لیے جبل الطارق ہی سے جہازوں میں سوار کرایا۔ 1704ء میں جبل الطارق برطانیہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کے بعد جبل الطارق کے مسئلہ پر یورپی عیسائی آپس میں لڑتے رہے' کبھی سرد جنگ کی صورت میں اور کبھی گرم جنگ کی صورت میں۔ اس کی تفصیل دینے کی یہاں گنجائش نہیں۔ 1967ء میں جبل الطارق کے باشندوں کو موقع دیا گیا کہ آیا وہ سپین کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا برطانیہ کے؟ انہوں نے برطانیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس کے بعد

بھی یہ تنازعہ ختم نہ ہوا اور ریفرنڈموں کا سلسلہ جاری رہا۔

چونکہ جبرالٹر برطانیہ کی سمندر پار کالونی ہے' اس لیے سربراہ مملکت ملکہ الزبتھ دوم ہے اور گورنر جبرالٹر اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ خارجہ امور' دفاع' اندرونی سیکورٹی' مالیاتی استحکام برطانیہ کے ذمہ ہے۔ گورنر الیکشن کے بعد وزیر اعلیٰ اور وزراء کا تقرر کرتا ہے۔ جبرالٹر کی حکومت چار سال کے لیے منتخب ہوتی ہے۔ 17 منتخب ارکان ہوتے ہیں۔ حکومت کا سربراہ وزیر اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس وقت سر جیمز ڈوٹن گورنر ہے جبکہ فبیان پکارڈو وزیر اعلیٰ۔ اس وقت پارلیمنٹ میں چار سیاسی جماعوں کی نمائندگی ہے' جبرالٹر سوشل ڈیموکریٹس' جبرالٹر سوشلسٹ لیبر پارٹی، جبرالٹر لبرل پارٹی اور پروگریسو ڈیموکریٹک پارٹی۔ جبرالٹر یورپی یونین کا بھی حصہ ہے۔ دس سال کی جدوجہد کے بعد 2004ء میں یورپی پارلیمنٹ کے الیکشن میں جنوب مغربی انگلینڈ کے حلقہ میں وہ ووٹ ڈالنے میں کامیاب رہے۔ جبرالٹر کی مکمل خودمختاری کی آواز بھی بلند ہو رہی ہے اور جبرالٹر کے ایک نئے دستور پر اتفاق کا بھی اعلان کیا گیا۔ 30 نومبر 2006ء کو جبرالٹر میں دستوری ریفرنڈم ہوا۔ 60.24 فیصد نے حق میں جب کہ 37.75 فیصد نے مخالفت میں ووٹ دیے۔ باقی نے کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔ کل 60.4 فیصد نے ووٹ ڈالے۔

یہ ہے اس چٹان کی داستان عروج وزوال جسے طارق بن زیاد کی جرأت وبہادری نے ایک نام ہی نہ دیا' تاریخ وادب میں ایک اہم مقام بھی دیا۔ اگر طارق بن زیاد اپنی فوج سے دس گنا بڑے لشکر سے خوف زدہ ہو جاتا' اپنی کشتیوں کو نذر آتش کر کے پسپائی کے راستے بند نہ کر دیتا تو نہ صرف یہ کہ اس چٹان کا نام جبل الطارق نہ ہوتا بلکہ اندلس بھی تاریکیوں میں ڈوبا رہتا۔ طارق کی اس پہاڑی کا آج بھی یہ پیغام ہے کہ فتح ونصرت کے جھنڈے گاڑنے کے لیے تعداد نہیں جرأت ایمانی اصل چیز ہے' باہمی خانہ جنگی اور اقتدار کی رسہ کشی کسی بھی قوم کے زوال کا بنیادی سبب ہے' اقتدار کے بھوکے اور بزدل حکمران بہادر فوج کی شکست کا بھی باعث بن جاتے ہیں اور خانہ جنگی میں مصروف لوگوں کی مدد کوئی نہیں کرتا۔

خواجہ محمد اسلم (امیر تحریک رحمت)

قائداعظمؒ کا فرمان: پاکستان تجربہ گاہِ اسلام

13 جنوری، 1948 کو اسلامیہ کالج، پشاور میں بانی ءِ پاکستان، جناب قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

ہر نظام کی بُنیاد کچھ اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ پورے نظام کو سمجھنے کے لیے اُس کے بنیادی اصولوں کو سمجھنا اور ہمہ وقت نگاہ میں رکھنا لازم ہے۔ قُرآنِ حکیم 23 برس تک نازل ہوتا رہا اور پیغمبر اعظم و آخر ﷺ اپنے تلامذہ و رُفقاء کو اس پر عمل کر کے دکھاتے رہے، جسے سائنس کی اصطلاح میں Demonstration کہہ سکتے ہیں۔ اس عمل سے نبی اکرم ﷺ کی زندگی قُرآنِ حکیم کا عملی نمونہ بن گئی، جسے اللہ تعالیٰ نے اُسوۂ حسنہ یا احسن و اکمل نمونے سے تعبیر کیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21:33)

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی سیرت طیبہ میں) تمہارے لیے (زندگی کرنے کا) احسن و اکمل نمونہ ہے۔''

اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں قُرآنِ حکیم کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کو ہم ''اسلامی طریق زندگی'' یا ''اسلامی نِظامِ حیات'' کہتے ہیں۔

پچھلی نشستوں میں ہم نے قُرآنِ حکیم اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دینِ اسلام (یعنی اسلامی نظامِ زندگی) اور اسلامی معاشرہ کے اصول معلوم کیے تھے اور یہ بھی کہ ان اصولوں سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ تمام اصولوں پر بیک وقت اور مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرہ 208:2)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! (حلقہءِ) اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

قُرآنِ حکیم کے ان اصولوں پر عمل اِنفرادی + اجتماعی طور پر ہی ممکن ہے لہٰذا ضروری ہے کہ

اس کے لیے اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے۔ یہ کام صرف حکومت کر سکتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ربِّ کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب بھی انہیں کسی ملک یا خِطّے میں حکومت و اقتدار حاصل ہو تو وہ پہلا کام صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے قائم کریں، جن کی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ معرضِ وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج 41:22)

ہوتا ہے کہ (سچّے مومنوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ) جونہی ہم اُن کو کسی سرزمین میں حکومت و اقتدار دیتے ہیں تو وہ (بلا تاخیر) صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر کے نظام قائم کرتے ہیں اور کُل امور کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی اِس کا انجام یقیناً بہترین ہوگا)

آج کی نشست میں ہم اسلام کے معاشی نظام کو قُرآنِ حکیم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اسلام کا معاشی نظام

انسانی زندگی ایک نامیاتی کُل (Organic whole) ہے جو ہر دم حرکت میں ہے۔ اس کا کوئی جُز جب حرکت کرنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ موت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حرکت کا ثباتِ دوام یعنی مسلسل حرکت میں رہنا زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں، زندگی، حرکت اور مشقت لازم و ملزوم ہیں۔ لہٰذا زندگی کی گاڑی کو متحرک رکھنے کے لیے ہر انسان کا ہمہ وقت کاروبارِ حیات میں مصروف رہنا ناگزیر ہوا۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ربّ رحمٰن نے محنت و مشقت کو لازمی امر قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍO﴾ (البلد 4:90)

یقیناً ہم نے انسان کو محنت و مشقّت میں پیدا کیا ہے (تاکہ وہ محنت و مُشقّت کر کے روزی کمائے)

کاروبارِ حیات کی چار اقسام ہیں:

(۱) کھیتی باڑی (۲) صنعت و حرفت (۳) تجارت (۴) ملازمت

یہ چاروں سلسلے اپنی اپنی منفرد اور مستقل حیثیت رکھنے کے باوجود آپس میں لا ینفک رابطہ رکھتے، بطور ایک اکائی کے کام کرتے، زندگی کی گاڑی کے اجزائے لاینفک یا اٹوٹ انگ ہیں۔ ان میں سے ایک سلسلہ بھی کمزور پڑ جائے تو زندگی کی گاڑی مفلوج ہوجاتی ہے اور متاثرہ قوم زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو فطرتِ انسانی کے خلاف محنت و مشقت نہیں کرتے بلکہ سرمایے یا ظلم و استحصال کے بل بوتے پر کاروبار کی چاروں اقسام سے دوسروں کا حاصلِ محنت وصول کر لیتے ہیں۔ اسے سود یا مارک اپ کہتے ہیں۔ سود ایک ایسا کاروبار ہے جس کی اپنی کوئی جداگانہ حیثیت ہے نہ وجود۔ یہ دوسروں کے کاروبار میں شامل ہوکر پھیلتا اور پُھولتا ہے، گویا یہ ایک طفیلی کیڑا (Parasite) ہے جو دوسروں کے بدن پر پلتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، سود وہ پودا ہے جو زمین کے بجائے درخت پر پیدا ہوتا ہے اور اپنی خوراک زمین سے حاصل کرنے کے بجائے درخت سے حاصل کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ''طفیلی'' تو پھلتا پھولتا ہے مگر درخت کمزور ہوتا جاتا ہے اور ایک دن سُوکھ جاتا ہے۔ سُود کی مثال ایک ایسے اژدہے کی ہے جو کسی جسم کو ایک بار اپنے شکنجے میں لے لے، تو اس شکنجے کو ہر آن کستا رہتا ہے۔ شکار جب سانس لینے کے لیے اپنی جسم سے ہوا خارج کرتا ہے تو اُس کا جسم سُکڑتا ہے اور شکنجے میں تھوڑا سا خلا پیدا ہوتا ہے، جسے اژدہا شکنجہ تنگ کر کے فوراً پُر کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ شکار کے لیے سانس لینا دشوار سے دشوار تر ہوتا جاتا ہے، حتٰی کہ اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

سُود پر مبنی معاشرے میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ لوگ محنت و مشقّت تو کرتے ہیں، مگر حاصلِ محنت سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہتا، کیونکہ وہ سارے کا سارا سُود کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ جب یہ مقام آتا ہے تو آدمی اپنے آپ میں اجنبی بن کر دلکشیٔ حیات کھو بیٹھتا ہے اور سحر زدہ مخلوق کی طرح چُپ چاپ زندگی کی گاڑی کا بے جان پُرزہ بنا رہتا ہے۔ وہ زندوں میں رہتا ہے نہ مُردوں میں۔ فلسفے کی زبان میں اس کیفیت کو بیگانگی (Self alienation) کہتے ہیں۔

جب خامشی ہی بزم کا دستور ہوگئی
میں آدمی سے نقش بہ دیوار بن گیا

سُود کی عمارت اگر خودغرضی اور ہوسِ زر کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے تو حق تلفی و کرپشن اس کا پھل ہیں، جس کے نتیجے میں رشوت خوری، چوری چکاری، ڈکیتی، بدعنوانی اور فحاشی وغیرہ وغیرہ

معرضِ وجود میں آتے ہیں، گویا ؎

سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ سود سے چھٹکارا مقصود ہے تو رائج الوقت سرمایہ داری و جاگیر داری نظام کا قلع قمع کر کے اسلامی نظام نافذ کرنا پڑیگا، دوسرے لفظوں میں اسلامی نظام کا نفاذ، بلا سود معیشت کے قیام کی پیش شرط (Pre-requisite) ہے۔

اب ہم معلوم کرتے ہیں کہ قُرآن کا معاشی نظام کیا ہے؟

اشتراکی نظریۂ حیات یہ ہے کہ انسان کی اساس اُس کی معیشت ہے اور معیشت ہی انسان کا اصل مسئلہ ہے جو اس کے نِظامِ حیات میں محور کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اُس کے فِکر و عمل کا دائرہ اُسی کے گرد گھومتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے حامی اشتراکیت کے مخالف ہونے کے باوجود سرمایے کو معاشی زندگی کی اساس مانتے ہیں اور اسے اخلاقی اقدار پر مقدم سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے برعکس، قُرآنِ حکیم، جو زندگی کے متنازع مسائل میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، کا مؤقف یہ ہے کہ انسان محض حیوان نہیں، بلکہ حیاتیاتی بشر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربّ کریم نے اُسے علم و حکمت، عقل و فِکر، شعور و آگہی اور جذبات و احساسات، نیز ارادہ و اختیار کی آزادی ودیعت کی ہے جس کے سبب ایک تو وہ اس دنیا میں قانونِ مُکافاتِ عمل کا پابند ہے؛ دوسرے اس میں ارتقاء کے لا متناہی امکانات مُضمَر ہیں، اس لیے کہ اُس نے لذّتِ موت سے آشنا ہونے کے بعد زندۂ جاوید ہونا ہے اور موت سے نا آشنا جہانِ آخرت میں پہنچ جانا ہے جہاں اُس نے ابدالآباد زندگی بسر کرنی ہے۔ تیسرے احسن الخالقین نے اُس میں اپنے اِلٰہ و ربّ کی محبت و آرزو ودیعت کی ہے اور جنت میں اُن سے ملاقات کرنا اور کرتے رہنا کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں، وہ جمالیاتی ۔اخلاقی اقدار کو بہت عزیز اور معاشی اقدار پر مقدّم رکھتا ہے، لیکن معاشی اقدار کی اساسی اہمیت پر بھی بہت زور دیتا ہے۔

اسلامی معاشی نظام دس اصولوں پر قائم ہے، جن کی مختصراً وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) توحیدِ ربوبیّت: یعنی اس عقیدے پر کہ تنہا اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام مخلوقات کا رازق و پروردگار، آقا و مالک اور حاکم ہے۔ نیز آسمانوں اور زمین کی تمام نعمتیں اُس نے پیدا کی ہیں اور وہی اُن کا مالک ہے۔ یہ تمام نعمتیں کُل افرادِ نسلِ انسانی کے لیے سفرِ حیاتِ دنیا کے دوران بقدرِ ضرورت

فائدہ اٹھانے کے لیے ہیں ۔ ان کو جمع کر کے دوسروں کو ان سے محروم کر دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ مقصودِ ربانی یہ ہے کہ تمام افرادِ نسلِ انسانی اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں اور یہ دنیا سب کے لیے نعمتوں کا دستر خوان ہے اور یہ دستر خوان سب کے لیے کھلا رہنا چاہئے۔

(۲) ذرائع پیداوار: کوئی فرد، جماعت یا قوم وسائل پیداوار پر قبضہ جما کر دوسروں کو اُن کے تمتُّع سے محروم نہیں کر سکتی۔ کوئی حکومت کسی فرد، جماعت یا قوم پر جائز طریقے سے روزی حاصل کرنے کی راہیں جبر و تشدد سے مسدود نہیں کر سکتی ۔ اُسے ربّ کریم کی نعمتوں سے بلا شرکتِ غیرے مُستفید ہونا تمام افرادِ نسلِ انسانی کا بُنیادی حق (Basic right) ہے ۔ یہ حق حقُوق العباد میں بُنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَO﴾ (یونس 55:10)

یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو نعمتیں بھی ہیں اللہ تعالیٰ کی ملکیّت اور اُسی کے لیے ہیں، یعنی اُس کے کُل جمالیاتی، تخلیقی شاہکاروں کے تمتُّع کے لیے ہیں ۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا حُکم سچا اور اٹل ہے لیکن اکثر لوگوں کو اِس کا علم ہے نہ یقین ۔ (اور دیکھیے البقرہ 255:2، 286؛ آلِ عمران 109:3؛ النّسآء 126:4، 131، 171 و بمواضعِ کثیرہ)

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِO﴾ (الرّحمٰن 10:55)

اور اُس نے کُرۂ ارضی کو تمام مخلوقات کے لیے بنایا۔

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًاق﴾ (البقرہ 29:2)

وہ اللہ ہی ہے جس نے کُرّہ ارضی میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب تمام اِنسانوں کے لیے پیدا کیا۔

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ O وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَO﴾

(حٰم السجدہ 41:9-10)

(اے میرے حبیب ﷺ!) ان سے کہیے کہ تُم اُس اللہ کی تکفیر کرتے ہو یعنی اُس کا کہنا نہیں مانتے جس نے دو ادوار میں زمین کی تخلیق کی، اور (دُوسروں کو) اُس کا

ہمسر و شریک ٹھہراتے ہو جو کُل مخلوقات کی ربوبیّت کرنے والا ہے۔ اُسی نے زمین کے اُوپر پہاڑ بنائے اور اُن میں خیر و برکت کے ذخائر رکھ دیے۔ پھر چار ادوار میں (کُل زمین میں) غذائی وسائل ودیعت کر دیے، جن میں تمام حاجتمندوں کا برابر کا حِصّہ ہے۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍO﴾ (الاعراف 24:7)

''اور تمہارے لیے زمین میں ایک مُدّت تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے۔''

''متاع'' قُرآنِ حکیم کی ایک فِکر انگیز معاشی اِصطلاح ہے۔ اس کے معانی ہیں: ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کی چیز۔ لُغوی اعتبار سے اِس کے اصل معانی ہیں: وہ سامان جو ضروریاتِ سفر کے لیے کافی ہو (تاج العروس، بذیل مادّہ م ت ع)

(۳) جمعِ مال و دولت: کوئی فرد، جماعت یا قوم ضرورت سے زائد مال و دولت جمع کر سکتی ہے اور نہ اُسے فضول خرچ ہی کر سکتی ہے کیونکہ یہ مال و دولت تمتُّع کے لیے ہے، جمع کرنے یا اللّے تللّے کرنے کے لیے نہیں ہے۔ انسان کو کسبِ حلال کی آزادی ہے، لیکن جو کچھ وہ کماتا ہے ربّ کریم کی عطا کردہ قُوّتوں، وسائل اور نعمتوں کی بدولت کماتا ہے، لہٰذا اُس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ اور انسان کی حیثیت ایسے امین کی ہے جو اُس سے معروف طریقے سے تمتُّع کرنے کا مجاز ہے، جمع کر کے ناکارہ یا بانجھ کرنے کا نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍOنِ الَّذِيْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ O يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ O كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ O وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُO نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُO الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ O اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ O فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍO﴾ (الهمزة 104 :1-9)

تباہی و بربادی ہے طعنے بازوں، چُغل خوروں، عیب نکالنے والوں پر، جو مال جمع کرتے ہیں اور گِن گِن کر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال ہمیشہ اُن کے پاس رہے گا (اور انہیں زندۂ جاوید کر دے گا)؛ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ وہ حُطمہ میں ڈالے جائیں گے اور وہ نہیں جانتے کہ حُطمہ کیا ہے؟ یہ وہ آگ ہے جو اللہ نے دہکائی ہے اور قلُوب کو گھیر لیتی ہے، اور انہوں نے اِس آگ کے سیدھے، اُونچے اور لمبے لمبے ستونوں میں

مُقیّد ہونا ہے۔ (یعنی آگ اُن کے اندر ہوگی اور وہ آگ کے اندر ہوں گے)

(۴) محنت و مشقت: اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم اصول سعی و اکتساب یعنی ذاتی محنت و کوشش ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قومی پیداوار میں ہر شخص اپنی سعی و اکتساب کی کیفیت و کمیت (Quality & Quantity) کے مطابق حصّے کا حقدار ہے، یعنی معاشرے کے ہر صحتمند فرد کے لیے محنت و مشقت کر کے روزی کمانا فرض ہے۔ بغیر ذاتی محنت مشقت کے جو حاصل ہو یا کر لیا جائے وہ حرام ہے:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى O وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى O ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى O..... (النجم 53: 39-41)

اِنسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں، جس کے لیے اُس نے جتنی اور جیسی محنت و کوشش کی ہے، نیز اُس کی محنت و کوشش کو جانچا جاتا ہے، پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔

(۵) سُود (Interest or markup): سود کا لینا، دینا یا سودی سرمایہ کاری حرامِ مُطلَق ہے۔

(۶) اَلْعَفْو: اَلْعَفْو اُس فالتو مال و دولت کو کہتے ہیں جس کا کوئی جائز مصرف باقی نہ رہا ہو، دوسرے لفظوں میں، جس سرمایے کو سرمایہ دار کاروبار، زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ وغیرہ میں لگانے کے قابل نہ ہوں یا کسی مصلحت کی بناء پر مزید سرمایہ کاری کرنا نہ چاہتے ہوں یا نہ کر سکتے ہوں اور سرمایہ اُن کے پاس جمع ہو کر محجوب، ناکارہ یا بانجھ (Idle, shy, surplus or barren) ہو جائے۔ ایسا سرمایہ سرمایہ دار اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ اِسے انفرادی طور پر اپنے والدین، رشتے داروں، ہمسایوں، یتیم بچوں، بے یارو مددگار لوگوں جن کا کاروبار وغیرہ رک گیا ہو اور ضرورت مند اجنبیوں اور مسافروں پر خرچ کر دے۔ پھر بھی ختم نہ ہو تو اسلامی حکومت کے حوالے کر دے۔

(۷) قرضِ حسنہ (Interest free loan): قرضِ حسنہ وقت اور واپسی سے مشروط نہیں ہوتا، تاہم اس کو واپس کرنا عین سعات ہے۔ نادہندگی کی صورت میں اتنی ہی رقم کے اثاثوں کا موجود ہونا لازمی امر ہے۔ صنعتی منصوبہ جات کی تکمیل یا نئے منصوبوں پر عمل یا جن تاجروں اور صنعت گروں کے کاروبار میں رکاوٹ پڑ جائے اُن کو خزانۂ عامرہ بلا سود سرمایہ فراہم کرنا اسلامی معیشت کا اہم اصول ہے۔

(۸) بوڑھے لوگوں، مزدوروں، بیواؤں، یتیموں، معذوروں وغیرہ وغیرہ کی کفالت کا احسن انتظام ایسے لوگوں کا حق ہے اور منصوبہ بند طریقے سے اس کا انتظام کرنا اسلامی حکومت اور معاشرے کی ذمّہ داری ہے تاکہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

(۹) اسلامی معیشت کے اصولوں پر عمل کرنے کا منطقی نتیجہ قومی کفالت ہے، یعنی ہر فردِ معاشرہ کی خوراک، لباس، مکان، ایندھن، تعلیم و تربیت، علاج معالجہ، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت، سفری سہولتیں وغیرہ وغیرہ بہ احسن پوری ہوتی ہیں۔

(۱۰) بیان کردہ اصولوں پر احسن طریقے سے عمل پیرا ہونے سے معاشرے میں معاشی عدل و احسان قائم ہوتا ہے اور ملک میں خوش حالی اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہوجاتا ہے اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کیوں دینِ اسلام کو امن و سلامتی کا دین کہتے ہیں۔

یہ قرآنِ حکیم کا نظامِ معیشت ہے جسے پورے کا پورا نافذ کرنے سے ہی مطلوبہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ یہ نظام اتنا حرکی (Dynamic) ہے کہ دنیا کی کوئی بھی قوم، اُس کے حالات کیسے بھی ہوں، اس پر عمل پیرا ہوکر غربت کا خاتمہ کرکے اندرونی و بیرونی قرضہ جات، سُود اور غربت کی لعنت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پاکر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتی ہے۔ اس پر خلوصِ نیّت سے عمل کرنے والے لوگ دنیاوی زندگی بھرپور مسرت و کامرانی سے گزار کر اطمینانِ قلب کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوتے ہیں اور دارالآخرت میں جنت کے حقدار ٹھہرتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ انسان کی عظیم الشان کامیابی سے تعبیر کرتا ہے۔

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ O وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ O﴾ (الفجر 27:89 تا 30)

اے خوف و حزن سے مُنزّہ مُطمَئِن شخص! آجا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تُو اُس سے راضی ہے، وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں شامل ہوجا (یعنی نبیوں، صِدّیقوں، شہدا اور صالحین میں شامل ہوجا) اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

خواجہ محمد اسلم (امیر تحریک رحمت)

روزوں کی غرض و غائت، آئینہءِ قُرآن میں

(جناب خواجہ محمد اسلم کی یہ تحریر ہمیں تاخیر سے موصول ہوئی تھی، اس لیے رمضان کے خصوصی شمارے میں شامل نہ ہوسکی۔ ماہِ رمضان ابھی جاری ہے، اس لیے یہ تحریر شاملِ اشاعت کی جارہی ہے تاکہ قارئین استفادہ کرسکیں۔ادارہ بیدار)

روزوں کی غرض و غایت اور اہمیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ آج ہم یہ دیکھیں گے خود قُرآنِ حکیم روزوں کی غرض و غائت کو کس طرح بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنO﴾ (البقرہ183:2)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں (یعنی امتوں) پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم میں تقویٰ کا احیاء ہوجائے۔

اس آیتِ کریمہ کی رُو سے یہ بات یقینی ہے کہ روزے رکھنے کے بعد اگر تقویٰ کا اِحیاء نہ ہوا تو روزے اکارت گئے۔

''تقویٰ'' قُرآنِ حکیم کی اہم اِصطلاح ہے جس کے معنی جو عام طور پر مشہور ہیں یعنی اللہ سے ڈرنے والا، درست نہیں ہیں۔ آیئے ہم معلوم کرتے ہیں کہ خود قُرآنِ حکیم نے اپنی اس اِصطلاح کے کیا معنی کیے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان دو رشتے ہیں، ایک اِلٰہ دوسرا ربّ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بطور اِلٰہ بھی رحمٰن و رحیم ہے اور بطور ربّ بھی۔ یہ راز اُس نے کتابِ ہدایت یعنی قُرآنِ عظیم کے آغاز ہی میں آشکار کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَO الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِO﴾ (الفاتحہ 1-2)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن یعنی رحمتِ بے پایاں کا مالک اور مخلوقات کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے ہمیشہ نوازنے والا، نیز رحیم یعنی اُن پر ہمیشہ ترس کھانے، بار بار معاف کرنے اور بے انداز رحم و کرم کرنے والا ہے۔

حسنِ تعریف اور تشکر و سپاس فقط اللہ کے لیے ہے جو کل جہانوں کی مخلوقات کا رب یعنی نشو ونما دینے والا، پروردگار، آقا و مالک ہے، اور وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔

استنباط ہوا کہ وہ بطور الٰہ کے رحمٰن و رحیم ہے اور بطور رب کے بھی۔

قُرآنِ حکیم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیقات کا آغاز کرتے ہوئے اِن کا خمیر محبت پر اُٹھایا۔ محبت ایک داخلی قوت ہے۔ یہ قوت جب معرضِ اظہار میں آتی ہے تو دوسرں کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ یعنی محبت اور رحمت ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، داخلی ہو تو محبت کہلاتی ہے اور ظاہر ہو جائے تو رحمت۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ﴾ (الاعراف 156:7)

یقیناً میری رحمت کُل اشیاء یا موجودات کو محیط ہے۔

علاوہ ازیں، اللہ تعالیٰ تمام عالموں کا ربّ ہے اور یہ ایک تسلیم شُدہ حقیقت ہے کہ ربوبیت کا تقاضا شدید محبت یعنی عِشق ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ربوبیّت اُسی کی ممکن ہے جس کے ساتھ ربوبیّت کرنے والا شدید محبت کرتا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ ماں اپنے بچے کی ربوبیّت کرتی ہے، لیکن اِسی انداز سے وہ کسی دوسرے کے بچے کی ربوبیّت نہیں کرتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے شدید محبت یعنی عشق کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُO﴾ (البروج 14:85)

حقیقت یہ ہے کہ ''وہ'' مغفرت کرنے والا، شدید محبت کرنے والا ہے۔

ربِّ عاشق انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ بھی اُسے اِسی شِدّت سے چاہے؛ کیونکہ یہی محبت کا تقاضا ہے ؎

عشق کا جب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرہ 165:2)

اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کا اِلٰہ جمیل (Object of Love & Beauty) ہو، ربِّ عاشق ہو اور انسان اُس کا پرستار و عاشق بھی ہو اور پروردہ و محبوب بھی تو اس ہنگامۂ حسن و عشق میں ڈر یا خوف کی موجودگی؟ عقلِ سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی۔

اِس گفتگو سے اِستنباط ہوا کہ تقویٰ کے معنی ''اللہ سے ڈرنا'' تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ خود تصدیق کرتا ہے کہ ڈر یا خوف میرے پروردہ کے پاس تک نہیں پھٹک سکتے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنتُمْ تُوعَدُونَO﴾ (حٰم السجدہ 30:41)

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور اس پر قائم رہے تو اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ غم کرو بلکہ خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

[(نوٹ) انسان کو ڈرنا فقط اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافاتِ عمل سے چاہیے یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے اور اس کے لیے کوئی رعایت ہے اور نہ ہوگی]

قُرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے کہ اپنی حسین یعنی سب سے بہترین تفسیر وہ خود ہی کر دیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ قُرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے تو کیوں نہ ہم تقویٰ کے معنی خود قُرآنِ حکیم سے معلوم کریں۔

تقویٰ قُرآنِ حکیم کی ایک از بس اہم اصطلاح ہے، جسے اُس نے لُغوی اور اِصطلاحی دونوں معانی میں استعمال کیا ہے:

(ا) لُغوی معنی: تقویٰ کا مادہ ''وق ی'' ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کی حفاظت کرنا، نگہبانی و نگہداشت کرنا اور اسے مُضر اور تکلیف دہ چیز سے بچانا (تاج، لین) اس میں سلبی اور ایجابی دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں:

(الف) سلبی مفہوم: اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافاتِ عمل کی وجہ سے سیّئہ و شرّ اور باطل و کذب سے اپنے آپ کو بچانا:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج

صلے أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ O﴾ (البقرہ 24:2)

پھر اگر تُم ایسا نہ کرسکو اور یقیناً ایسا نہیں کرسکو گے تو پھر بچاؤ اپنے آپ کو اُس آگ سے جس کا ایندھن (مشرک و کافر) انسان اور (ذخیرہ اندوزوں کے جمع کیے ہوئے سیم وزر اور قیمتی) پتھر ہوں گے، جو تیار کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے۔

(ب) ایجابی مفہوم: رضائے الٰہی کے حصول اور اپنے آپ کو جنت قُرّۃُ العین کے لیے پیراستہ (Qualify) کرنے کے لیے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کی طلب و جستجو کرنا:

﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْراً O اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَاباً شَدِيْداً لا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُوْلِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ آمَنُوا ط قَدْ أَنزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً O﴾ (الطّلاق 65:9-10)

غرض انہوں نے (اللہ کے قانونِ مُکافاتِ عمل کے مطابق) اپنی بد اعمالیوں کا مزہ چکھا۔ (یہ تو ایک نمونہ تھا) انجامِ کار، اُن کے لیے گھاٹا ہی گھاٹا ہے، مہیا کر رکھا ہے اللہ نے اُن کے لیے (دارآخرت میں) شدید ترین عذاب۔ پس اے علم والو، جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو یعنی اُس کے قُرب و رضوان کی آرزو و جستجو کرتے اور اُس کے قانونِ مُکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو۔ اللہ نے تُمہاری طرف ذکر (یعنی قُرآنِ حکیم) نازل کیا ہے (تاکہ تُم اُس کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات کے مطابق عمل کرتے اور اپنے آپ کو جنت کے لیے پیراستہ کرتے رہو)

(۲) اِصطلاحی معنی: قُرآنِ عظیم نے اپنی اس اہم اِصطلاح کو متعدد معانی میں اِستعمال کیا ہے:

(الف)۔ آرزوئے ہدایت اور خوفِ گمراہی کا عرفان:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا O فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا O﴾ (الشمس 91:7-10)

اور شاہد ہے نفسِ انسانی اور وہ (ذاتِ اقدس) جس نے اُسے موزوں بنایا۔ پھر اس میں حدود اللہ سے تجاوز کر جانے کا داعیہ اور آرزوئے ہدایت و خوفِ گمراہی کا عرفان ودیعت کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کو فجور کی ضِد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور فجور کے معنی اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کر جانے اور صراطِ مُستقیم پر قائم رہنے کے بجائے ٹیڑھی ترچھی راہیں اختیار کرنے کے ہیں۔ یاد رہے کہ صاحبِ ارادہ و اختیار انسان اگر قبیح خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اُس کی آرزوئے ہدایت اور خوفِ گمراہی مُردہ ہو جاتی ہے

اور وہ فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(ب) ایمان لانا اور حسین اعمال کرنا:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِO﴾ (ص 28:38)

کیا ہم کر سکتے ہیں اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے حسین اعمال اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے فساد مچایا زمین میں، یا ہم کر سکتے ہیں مُتّقیوں کو فاجروں کی مانند۔

فساد کا مطلب ہے: اِنتشار پھیلانا (Disintegration) تو اُس کی ضِدّ ہوئی: اِکٹھا کرنا، پایۂ تکمیل تک پہنچانا، ہم آہنگی پیدا کرنا (Integration)۔ اِستنباط ہوا کہ حُسنِ ایمان اور حُسنِ عمل سے معاشرے کی تکمیل ہوتی ہے، جسے قُرآنِ حکیم نے تقویٰ سے تعبیر کیا ہے۔

(ج)۔ ایمان و عمل میں مکمل ہم آہنگی:

﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَO﴾

(الشعرآء 26:90-91)

اور قریب کردی جائے گی جنت مُتّقیوں کے لیے اور گمراہوں پر دوزخ ظاہر کردی جائے گی۔

غاوین یعنی گمراہ وہ ہوتے ہیں جو پہلے سیدھے راستے پر ہوں۔ دوسرے لفظوں میں، جو اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیں اُسے قُرآنِ حکیم غاوین سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مُتّقی وہ ہے جس کے ایمان وعمل میں مکمل ہم آہنگی ہو اور وہ اُس پر قائم رہے۔

(د)۔ دوسروں کے لیے بھلائی چاہنا اور صلۂ رحمی کرنا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص﴾

(المائدہ 2:5)

اور تعاون کرو احسان وحسنہ اور بھلائی وصلۂ رحمی کے کاموں میں اور مت تعاون کرو گناہ اور ظلم کے کاموں میں۔

یہاں تقویٰ کے مقابل عدوان کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی دُشمنی کرنا، حد سے

بڑھنا، سرکشی کرنا اور ظلم کرنا کے ہیں۔ اس طرح متقی وہ نیکو کار ہوا جو دوسروں کے لیے بھلائی چاہنے والا اور صلۂ رحمی کرنے والا ہوا۔

پرہیز گاری: کچھ لوگ متقی کا ترجمہ پرہیز گار بھی کرتے ہیں، جو نامکمل ہے، اس لیے کہ اس میں سلبی پہلو یعنی غلط کاموں سے اجتناب تو ہے لیکن ایجابی پہلو، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر کے اپنے آپ کو جنت کے لیے پیراستہ کرنا، مفقود ہے۔

تقویٰ کی حیثیت: مسلمانوں کے لیے تقویٰ اختیار کرنا لازمی امر ہے، کیوں کہ یہ حُکمِ الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَO﴾

(آلِ عمران 102:3)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ اور دیکھو! ہرگز موت نہ آئے تُم کو مگر اس حال میں کہ تُم مُسلم ہو۔

[(نوٹ) قُرآنِ حکیم کی رُو سے ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور مُسلم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرتا ہے۔]

زیرِ نظر آیت کریمہ میں اس حقیقت کو آشکار کیا جارہا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے تقویٰ اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خبر دار کر دیا کہ ہدایت تقویٰ سے مشروط ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَO﴾ (البقرہ 2:2)

یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ مُتّقیوں یعنی آرزوئے جستجوءِ قُربِ الٰہِ جمیل اور گمراہی کا خوف رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

ہدایت کا مطلب اِنسان کی آخری منزل، جنت اور اُس کی آخری تمنا، الٰہِ جمیل سے ملاقات کے لیے ربِّ رحمٰن کی حسین شاہراہ یعنی صراطِ مُستقیم کو پانا ہے اور یہ ہدایت فقط قُرآنِ حکیم سے ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ط﴾ (البقرہ 120:2)

اے میرے حبیبؐ! لوگوں کو بتادیں کہ اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ اور ہدایت لازم ملزوم کیوں ہیں؟ اس کا سیدھا سادہ

جواب یہ ہے کہ ہدایت اُسے ملتی ہے جس کو اس کی طلب وجستجو ہو۔ اس کی مثال طالبِ علم جیسی ہے کہ علم اُسے حاصل ہوتا ہے جو اس کا طالب ہو۔

ربِّ رحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ O﴾ (محمد 17:47)

وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی اللہ اُن کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور اُن کی آرزوئے اِلٰہ اور گمراہی کے خوف میں بھی مزید اضافہ کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہمہ وقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مسلمانوں کی عبادات یعنی صلوٰۃ، روزہ، حج، زکوٰۃ کا مقصودِ حقیقی اِحیائے تقویٰ ہے (دیکھیے البقرہ 21:2، 63، 183، وبمواضع کثیرہ)۔ دوسرے لفظوں میں تکمیلِ عبادات منزل نہیں ہے، بلکہ منزل کے حصول کا آغازِ سفر ہے۔

حاصلِ گفتگو: جب انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کے قُرب و رِضوان کے حصول کی آرزو پیدا ہوجائے اور خوف اس بات کا کہ راہِ راست پر چل نکلنے کے بعد گمراہ نہ ہوجاؤں، وہ متقی بن جاتا ہے۔ قُرآنِ حکیم کی بیان کردہ عبادات یعنی صلوٰۃ وزکوٰۃ، روزہ، حج اس لیے فرض کیے گئے کہ آدمی قُرآن سے ہدایات حاصل کرکے حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کے لیے متقی بن جائے۔ وجہ یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم فقط متقیوں کو ہدایت دیتا ہے۔

ثابت ہوا کہ اگر روزے رکھنے سے تقویٰ کا اِحیا نہ ہوا تو محنت اکارت گئی۔

﴿فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار﴾

(الحشر 2:59)

عبرت حاصل کرو، اے دیدۂ بینا رکھنے والو!

ملک احمد سرور

13 جولائی..... یوم شہدائے کشمیر

13 جولائی وہ تاریخی دن ہے جب مسلمانان کشمیر نے اپنے خون سے ''مشعل آزادی'' کو روشن کر کے تحریک آزادیٔ کشمیر کا افتتاح کیا اور اس انداز سے کیا کہ چشم فلک نے اس سے پہلے ایسا منظر دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھ پائی۔

پس منظر اس کا یہ ہے کہ کشمیریوں کے تاریک دور کا آغاز 1819ء میں ریاست پر سکھوں کے تسلط سے ہوا۔ 1846ء میں سکھوں کو انگریزوں سے شکست ہوئی تو کشمیر تاوان جنگ کے طور پر انگریزوں کے پاس چلا گیا۔ جنہوں نے اسے 1846ء میں ہی بدنام زمانہ معاہدہ امرتسر کے تحت 75 لاکھ نانک شاہی میں ڈوگروں کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد کشمیری جبر واستبداد' وحشت' انسانیت سوز مظالم اور تاریخ کے ایسے بدترین حالات سے دوچار ہوئے کہ بتدریج ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور لوگوں میں ان کی پست ہمتی اور بزدلی کے لطیفے سنائے جانے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اب ان کے اندر کوئی غیرت ایمانی کی چنگاری باقی ہے جو کبھی شعلہ جوالہ بن سکتی ہے۔ چین کی ایک لوک داستان پڑھی تھی' جس میں بتایا گیا تھا کہ جب ظلم حد سے بڑھتا ہے تو بھیڑ بھی شیر بن جاتی ہے، ایسا ہی کشمیر میں بھی ہوا۔ کشمیر میں ڈوگروں کے نہ رُکنے والے انسانیت سوز مظالم نے کشمیریوں میں جذبۂ ایمان ہی نہیں آزادی کے لیے جذبۂ جہاد اور عزم وحوصلہ بھی پیدا کر دیا۔

یہ 29 اپریل کا دن تھا' جو مدتوں بعد کشمیریوں میں جرات و ہمت لایا اور ان کے اندر چھپی ہوئی غیرت ایمانی اور آزادی کی تڑپ نے اپنا وجود دکھایا۔ اس روز عید تھی اور مسلمانان جموں عیدگاہ میں جمع تھے۔ خطیب صاحب خطبۂ عید میں داستان موسیٰ وفرعون بیان کر رہے تھے۔ اس میں فرعون کے مظالم کا ذکر تھا۔ ڈوگرہ ڈی آئی جی پولیس رام چند نے سوچا کہ فرعون کا نام لے کر دراصل ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ پر تنقید کی جا رہی ہے' اس نے پولیس انسپکٹر کھیم چند کو حکم دیا کہ وہ خطبہ بند کرائے' چنانچہ خطیب صاحب کو زبردستی خطبۂ عید پڑھنے سے روک دیا گیا۔ مسلمانوں نے اسے مداخلت فی الدین سمجھا اور غیرت ایمانی نے انہیں سڑکوں پر لا کھڑا کیا اور وہ

سراپا احتجاج بن گئے۔ چشم فلک نے مدتوں بعد ایک عجیب جوش اور ولولہ دیکھا۔ ایک تندوتیز طوفان تھا جو ایک طویل حبس کے بعد آیا تھا۔ ممتاز رہنما چودھری غلام عباس مرحوم اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صدیوں سے دبے ہوئے جذبات' سمندر کے طوفان کی طرح مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھے۔ ان کی دیوانگی اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو ''آسیب'' ہو گیا ہے۔'' احتجاج کے ساتھ مسلمانوں نے مقامی مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا لیکن یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا گیا کہ خطبہ نماز عید کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس سے مسلمانوں کے جذبات مزید مجروح ہوئے۔ ہائیکورٹ میں رٹ دائر ہوئی تو خطبہ کو نماز عید کا حصہ تسلیم کر لیا گیا اور انتظامیہ نے متعلقہ انسپکٹر کو معطل کر دیا۔ اسی دوران میں جموں سنٹرل جیل میں ایک ڈوگرہ کانسٹیبل لبھورام نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی' جس سے مسلمانوں کے جذبات مزید مشتعل ہو گئے اور تحریک پوری ریاست میں پھیل گئی۔ اسی دوران میں 25 جون کو خانقاہ معلیٰ میں ایک عظیم الشان جلسہ تھا۔ میر واعظ مولانا محمد یوسف' شیخ محمد عبداللہ اور دیگر رہنما خطاب کر کے جا چکے تھے کہ ایک غیر کشمیری نوجوان اٹھا اور نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا: ''مسلمانو! اب وقت آ گیا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے' یادداشتوں اور گزارشوں سے ظلم وستم کا دور ختم نہ ہو گا' نہ توہین قرآن کا مسئلہ حل کیا جا سکے گا' تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور ظلم کے خلاف لڑو۔'' اس نے راج محل کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اٹھو اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔'' یہ نوجوان سرحد کا رہنے والا تھا اور اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ ادھر کشمیر میں ایک انگریز میجر کے ساتھ بطور خانساماں آیا تھا۔ عبدالقدیر کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

ریاست جموں وکشمیر میں عبدالقدیر پر بغاوت کے مقدمہ نے بہت شہرت حاصل کی اور مسلمانوں نے تو اسے بہت ہی زیادہ اہمیت دی کیونکہ ایک غیر کشمیری نے کشمیریوں کے حق میں آواز بلند کی تھی۔ 13 جولائی 1931ء کو مقدمہ کی سماعت سنٹرل جیل کے احاطہ میں شروع ہوئی۔ کشمیری مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے محسن کو دیکھنے سنٹرل جیل پہنچ گئی۔ چونکہ سماعت بند کمرے میں ہو رہی تھی' مسلمانوں نے احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مقدمہ کی سماعت کھلے عام کی جائے۔ مجسٹریٹ نے نہ صرف مطالبہ مسترد کر دیا بلکہ مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ

نہایت ذلت آمیز سلوک کیا۔ ہجوم ''اسلام زندہ باد'' ''عبدالقدیر زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا جیل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا مگر عبدالقدیر کے وکلاء مولوی عبداللہ وکیل' پیر قمر الدین اور غلام محمد وکیل نے سمجھا کر احتجاجی ہجوم کو پیچھے ہٹا دیا اور طے پایا کہ عدالتی کارروائی دکھانے کے لیے ان کے نمائندوں کو اندر بلا لیا جائے گا۔ اسی دوران میں نماز کا وقت ہو گیا اور مسلمانوں نے وہیں نماز پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان نماز کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ اسی دوران میں ڈوگرہ گورنر پولیس کی بھاری جمعیت لیے وہاں آ گیا اور آتے ہی بغیر کسی وارننگ کے گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ گولیوں کی اس بارش میں زمین پر انسانوں اور آسمانوں پر فرشتوں نے ایک انتہائی کربناک مگر نہایت ایمان افروز منظر دیکھا۔ ایک شخص دیوار پر اذان دے رہا تھا کہ اسے گولی لگی اور وہ وہیں شہید ہو گیا۔ پلک جھپکنے میں دوسرا شخص وہاں اذان دینے کے لیے موجود تھا۔ وہ بھی گولی مار کر شہید کر دیا گیا تو تیسرے نے اذان شروع کر دی یہاں تک کہ اذان مکمل کرتے ہوئے اکیس نوجوان جام شہادت نوش کر گئے اور ایک زخمی بھی بعد میں شہداء کے اس قافلہ سے جا ملا۔ اس روز سینکڑوں زخمی ہوئے۔ ہر طرف خون ہی خون بکھر گیا۔ کشمیریوں نے جرأت و بہادری' استقامت و پامردی اور قربانی کی ایک بے نظیر مثال پیش کی۔ اس روز اہل کشمیر نے ظلم کے سامنے سرنگوں ہونے کے بجائے عبدالقدیر کی آواز پر جوانمردی سے اس کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ناقابل تسخیر چٹان بن گئے' گولیوں نے ان کے جسم تو گرا دیئے مگر ان کے عزم ''اللہ اکبر'' کی صدا بلند کرتے رہے' خون بہتا مگر فضا کلمۂ شہادت' توحید اور تکبیر سے گونجتی رہی۔ پولیس حیران تھی' کشمیر کی فضا حیران تھی' حکمران حیران تھے کہ یہ کشمیریوں میں لڑنے مرنے کا جذبہ کہاں سے آ گیا ہے۔ نوجوان شہداء کی لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا کر جامع مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔ سارے شہر پر ماتمی فضا چھا گئی۔ دکانیں اور بازار بند ہو گئے۔ لوگ گھروں سے نکل کر جلوس میں شریک ہونے لگے۔ ڈوگرہ فوج نے لاشیں چھیننے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ہوئی۔ شرکائے جلوس لاشیں لے کر مسجد میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس چنگاری کو 29 اپریل کو ہوا ملی تھی وہ 13 جولائی کو شعلہ جوالہ بن گئی تھی۔ ہر چیز سراپا احتجاج تھی۔ چودھری غلام عباس مرحوم اپنی خودنوشت میں اس دن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''13 جولائی 1931ء کو دن دو بجے کے قریب ایک دوست کے ساتھ امیرا کدل کے بازار

میں کھڑا تھا کہ اچانک آندھیاں گھر گھر کر آ گئیں۔ ساری فضا زمین سے لے کر آسمان تک گردوغبار کی ایک تودہ مجسم بن گئی۔ کیفیت یہ ہوگئی کہ میں اپنے ساتھی کو بھی جو مجھ سے ڈیڑھ دو فٹ کے فاصلے پر تھا دیکھ نہ سکتا تھا۔ قہر خداوندی کا یہ سلسلہ تقریباً پاؤ گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد فضا بالکل ساکن ہوگئی۔ آسمان کی سیاہی اور زردی تانبے کی سی لالی میں تبدیل ہوگئی۔'' وہ مزید لکھتے ہیں: ''اس دن کی طوفانی آندھی کے متعلق تمام معمر لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ایسا قیامت خیز منظر ساکنان کشمیر نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آندھی تھم جانے کے بعد جب آسمان عنابی ہوگیا تو آسمان کی طرف ہر دیکھنے والے کا دل کانپتا اور لرزتا تھا' میں غیر ارادی طور پر محسوس کر رہا تھا کہ کوئی خوفناک مصیبت آنے والی ہے۔'' اس کے بعد انہیں مسلمانوں پر فائرنگ کی اطلاع ملتی ہے۔ اس دن کی اہمیت کے بارے میں مرحوم لکھتے ہیں: ''13 جولائی کا یوم سعید تاریخ کشمیر میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر یہ کیلنڈر میں موجود نہ ہوتا تو یقیناً ریاست کشمیر کی سیاسی تاریخ جو 1931ء سے لے کر آج تک مرتب ہو رہی ہے اور آئندہ بھی مرتب ہوتی رہے گی' بالکل مختلف ہوتی۔''

ایک جان بلب زخمی نے اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کرنے سے پہلے شیخ عبداللہ سے کہا: ''ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے' اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ قوم سے کہیں کہ وہ اپنا فرض نہ بھولے۔'' اہل کشمیر تو اپنا فرض نہ بھولے مگر شیخ عبداللہ بھول گیا' اس نے شہداء کے خون سے غداری کی اور کشمیر کی تاریخ میں ایک غدار کا نام پایا ہے۔ غدار پیدا ہوتے رہے مگر 13 جولائی کے شہداء نے اہل کشمیر کے لیے جس راستہ کا انتخاب کیا تھا' مجاہدین آزادی کے قافلے اسی راستہ پر چل رہے ہیں' ان کا راستہ کوئی شیخ عبداللہ روک سکا' نہ اس کا داماد اور نہ بیٹا۔ ہندو برہمن اپنی پوری قوت لگا چکا ہے مگر 13 جولائی کا بنایا ہوا راستہ آج بھی کھلا ہے جب کہ کشمیر میں برہمن اور اس کے ایجنٹوں کے راستے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ 13 جولائی کو روایتی طور پر نہ منایا جائے بلکہ اس عہد کے ساتھ منایا جائے کہ ہم کشمیر اور پاکستان میں سے کسی کو شیخ عبداللہ نہیں بننے دیں گے۔

ملک احمد سرور

19 جولائی..... یوم الحاق پاکستان

ماہ جولائی کو تحریک آزادی کشمیر میں بہت اہمیت حاصل ہے۔13 جولائی 1931ء کو گولیوں کی بارش میں اذان مکمل کرتے ہوئے 22 کشمیریوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے تحریک آزادی کی مشعل کو اپنے خون سے روشن کیا اور 19 جولائی 1947ء کو مسلمانان کشمیر کی نمائندہ جماعت مسلم کانفرنس نے کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد پیش کی۔ 13 جولائی 1931ء کو جو تحریک شروع ہوئی اسے اگرچہ طاقت اور ریاستی جبر وتشدد سے کچل دیا گیا' مگر مسلمانان کشمیر کی بیداری نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس تحریک نے نہ صرف کشمیری عوام کو آزادی کا شعور بخشا' بلکہ مسلمانوں کی قیادت کو ابھرنے کا موقع بھی دیا۔ اس تحریک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ کشمیری مسلمانوں کے مسائل پہلی بار برطانوی ہند کے مسلمانوں کے سامنے آئے اور شمالی ہند کے مسلمانوں نے کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں پرزور احتجاج کیا' جس کے نتیجے میں انگریز حکومت مہاراجہ کے مظالم کی تحقیقات کرانے پر مجبور ہوئی۔ گلانسی کمیشن مقرر ہوا' گلانسی کمیشن نے تحقیقات کے بعد مہاراجہ کو اصلاحات کرنے اور قانون ساز اسمبلی قائم کرنے کی سفارش کی۔ گلانسی کمیشن کی رپورٹ کے بعد مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کشمیر کی سیاست میں ایک مؤثر کردار ادا کرنے اور تحریک کو مضبوط بنیادوں پر منظّم کرنے کے لیے ایک تنظیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ نے مل کر ''آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس'' کی بنیاد رکھی۔ 15`16`17 اکتوبر 1932ء کو سری نگر میں مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا۔ 1934ء میں ریاست میں پہلے انتخابات ہوئے اور مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کی 21 نشستوں میں سے 16 پر انتخاب جیت لیا۔2 سال بعد ہونے والے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے 21 میں سے 19 سیٹیں حاصل کر لیں۔ مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی جدوجہد تیزی سے آگے بڑھنے لگی تو دوراندیش برہمن اس تحریک سے پریشان ہو گیا۔ کانگریس برطانوی ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک سے پریشان تھی اور اس کی پوری کوشش تھی کہ ہندوستان تقسیم نہ ہونے پائے اور وہ پورے ہند کا اقتدار حاصل کر لے' مگر قائداعظمؒ کی قیادت

میں تحریک اس مقام پر پہنچ گئی کہ کانگریس کو یقین ہو گیا کہ اب تقسیم کو روکنا مشکل ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے امکان کو سامنے رکھ کر کانگریس نے نئی منصوبہ بندی کی۔ اس منصوبہ بندی کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ بالفرض پاکستان بن جانے کا کوئی معاملہ طے ہو جاتا ہے تو اسے ٹھوس بنیادوں پر قائم نہیں ہونے دینا اور ایسے حالات پیدا کرنے ہیں کہ یہ باقی نہ رہے۔ کشمیر کا تنازعہ اسی مقصد کی خاطر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ پیدا کیا گیا' ورنہ 3 جون 1947ء کے تقسیم ہندوستان کے پلان کے تحت یہ تنازعہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پلان کے تحت ریاستی حکمرانوں نے اپنے عوام کی خواہشات اور ریاست کی جغرافیائی پوزیشن کو مدنظر رکھ کر پاکستان یا بھارت سے الحاق کرنا تھا۔ پاکستان کے لیے کشمیر کی کیا اہمیت ہے' اس بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، قائداعظمؒ کا یہ قول ہی کافی ہے: ''کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔'' ایک زرعی ملک کے لیے پانی کی وہی اہمیت ہوتی ہے جو انسانی جسم کے لیے خون کی۔ پاکستان کے تمام دریا کشمیر سے آتے ہیں اور برہمن بھی کشمیر کی اس اہمیت سے بخوبی واقف تھا۔ کانگریس کے منصوبہ سازوں کا خیال تھا کہ اگر اس ''شہ رگ'' کو بھارت اپنے قابو میں کر لے تو پاکستان زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گا اور جلد بھارت میں شامل ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس کی واضح شہادتیں ملتی ہیں' مثلاً سر جارج کننگھم'' (Sir.George Cunningham) اپنی ڈائری 21 ستمبر 1947ء کی انٹری میں لکھتا ہے: ''نہرو نے جنرل فرینک مسروی (Sir Frank Messervy) کو بتایا تھا کہ اس کا یعنی نہرو کا منصوبہ یہ تھا کہ جناح کو پاکستان حاصل کرنے دیں اور دھیرے دھیرے اقتصادی اور دیگر سطحوں پر اس کے معاملات کو کچھ اس طرح ناقابل حل بنا دیا جائے گا کہ یہ سب لوگ گھٹنوں کے بل واپس آ جائیں گے اور بھارت میں واپس ضم ہونے کی درخواست کریں گے۔'' (بحوالہ مسئلہ کشمیر تاریخی تناظر میں از ڈاکٹر سید عنایت اللہ اندرابی)

ایک مغربی مصنف مائیکل الایز اپنی کتاب ''The Indus Rrivers: A study of the efforts of Pakistan'' میں لکھتا ہے کہ بھارتی لیڈر پاکستان کے بحیثیت آزاد ملک ابھرنے پر اپنے آپ کو راضی نہ کر سکے۔ پاکستان بن گیا تو انہوں نے اپنا یہ استحقاق سمجھا کہ وہ ہر دستیاب طریقہ استعمال کر کے پاکستان کی معیشت تباہ کریں تا کہ یہ بات واضح ہو کر سامنے آئے کہ پاکستان الگ کامیاب نہیں ہوگا اور یوں اس کو واپس بھارت میں ضم کیا جائے (بحوالہ مسئلہ کشمیر تاریخی تناظر میں از ڈاکٹر سید عنایت اللہ اندرابی)

دو قومی نظریہ کو جھٹلانے کے لیے بھی بھارت کی خواہش تھی کہ کشمیر ہر صورت بھارت میں شامل ہو۔ ان تمام وجوہات کو سامنے رکھ کر کانگریس کے تھنک ٹینکس نے منصوبہ بندی کی' کشمیر کا مہاراجہ ہری سنگھ اگرچہ کانگریس کا ہم نوا تھا، مگر صرف ہری سنگھ کی حمایت سے کانگریس کے منصوبے مکمل نہ ہوتے تھے۔ دنیا کو دکھانے کے لیے کانگریس ہر حالت میں مسلمانوں کی حمایت چاہتی تھی' مگر مسلم کانفرنس اس کے لیے کسی صورت تیار نہ تھی۔ کانگریس نے کشمیری پنڈتوں کو متحرک کیا کہ وہ شیخ عبداللہ کو ٹارگٹ بنائیں' چنانچہ ممتاز کشمیری پنڈت پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ذہن میں سیکولرزم اور نیشنلزم کا بیج بونا شروع کر دیا۔ کمیونسٹوں نے اپنا کردار ادا کیا۔ 1937ء میں ایک منصوبے کے تحت لاہور ریلوے اسٹیشن پر نہرو سے شیخ عبداللہ کی ملاقات کرائی گئی۔ اس ملاقات کا اہتمام کمیونسٹ لیڈر میاں افتخار الدین نے کیا تھا' جو ان دنوں کانگریس میں تھے۔ نہرو سرحد کے دورے پر جا رہا تھا' شیخ عبداللہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ دورے سے واپسی پر ''شیر کشمیر''، ''کشمیری گاندھی'' بن چکا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان نے بھی شیخ عبداللہ کو کشمیری گاندھی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ برہمن لیڈروں نے شیخ عبداللہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

جب ہم برصغیر میں برہمن سیاست کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ برہمنوں کے پاس وہ کون سی سحر انگیز قوت تھی کہ انہوں نے ٹاپ کی مسلمان قیادت اور علماء کو کانگرسی بنا لیا۔ علمائے دیوبند' ابو الکلام آزاد' خان عبدالغفار خان اور دیگر ان گنت نام اس فہرست میں شامل ہیں۔ قائداعظمؒ کا ان کے سحر سے نکل کر مسلم لیگ میں آنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ برہمن کے پاس یہ سحر انگیز قوت آج بھی موجود ہے۔ بے نظیر بھٹو راجیو گاندھی سے ملیں' تو اس کی گفتگو کے سحر میں گرفتار ہو کر بغیر کسی معاہدے کے حریت پسند سکھوں کی لسٹیں اس کے حوالے کر کے نہ صرف خالصتان تحریک کو ختم کروا دیا بلکہ کشمیریوں کی تحریک آزادی کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ کنفیڈریشن' مشترکہ صدر اور مشترکہ کرنسی کی باتیں کرنے لگیں۔ نواز شریف گجرال اور واجپائی سے ملتے ہیں تو قومی مفادات کو بھول جاتے ہیں، اس لیے اگر شیخ عبداللہ عام کشمیری مسلمانوں کی سوچ کے برعکس کانگریس کا ہم نوا بن جاتا ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ برہمن اور کمیونسٹ 1938ء میں شیخ عبداللہ کے ذریعے مسلم کانفرنس کو ''نیشنل کانفرنس'' میں بدلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چودھری غلام عباس اور دیگر لیڈر متفق نہ

ہونے کے باوجود مشروط طور پر اس تبدیلی کو قبول کر لیتے ہیں' مگر شیخ عبداللہ طے کردہ شرائط کی پابندی نہ کرتے ہوئے کانگریس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے تو چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھی مسلم کانفرنس کا دوبارہ احیاء کر لیتے ہیں۔ مسلم کانفرنس دوبارہ جلد مسلمانان کشمیر کی واحد نمائندہ جماعت بن جاتی ہے۔

1946ء میں مسلم کانفرنس ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانان کشمیر سے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ڈائریکٹ ایکشن کے لیے تیار ہونے کی اپیل کرتی ہے۔ ڈائریکٹ ایکشن کی تفصیلات طے کرنے کے لیے اکتوبر میں اجلاس بلاتی ہے۔ مہاراجہ کی حکومت اجلاس پر پابندی لگا دیتی ہے اور چودھری غلام عباس سمیت بڑی تعداد میں لیڈروں کو گرفتار کر لیتی ہے۔ جماعت کے اکثر لیڈروں کے جیل میں ہونے کے باوجود 1947ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس 21 میں سے 15 سیٹیں حاصل کر لیتی ہے۔ چھ نشستوں پر کاغذات مسترد ہو جانے کے باعث انتخاب ہی نہیں ہوتا۔ اس کامیابی پر کانگریس پریشان ہو جاتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن جو پاکستان کا گورنر جنرل نہ بنائے جانے پر قائداعظمؒ سے پہلے ہی ناراض ہے' وہ بھی متحرک ہو جاتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ کشمیر کسی صورت بھی پاکستان میں شامل نہ ہو۔ کانگرسی لیڈر اور ہندو ریاستوں کے مہا راجے کشمیر کے دورے شروع کر دیتے ہیں۔ گاندھی بھی کشمیر آتا ہے اور مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مہاراجہ کے بجائے بیگم عبداللہ کی میزبانی قبول کرتا ہے۔ کانگریس خصوصی کوشش کر کے گلگت وبلتستان کا علاقہ مہاراجہ کو واپس کراتی ہے تاکہ کہیں یہ علاقہ بھی خود بخود پاکستان میں شامل نہ ہو جائے۔ بھارت کا کشمیر سے زمینی راستہ قائم رکھنے کے لیے ضلع گورداس پور کی تین تحصیلوں کو سازش کے تحت بھارت میں شامل کرایا گیا۔ ان گنت دیگر پہلوؤں سے بھی کوششیں ہوئیں جن کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں۔

19 جولائی 1947ء کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم کانفرنس پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد پاس کرتی ہے۔ قرارداد میں کہا گیا: ''مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی حالات' مجموعی آبادی کی 80 فیصد مسلم اکثریت' پنجاب کے اہم دریاؤں کی ریاست میں سے گزرگاہیں' زبان' ثقافتی' نسلی' معاشی تعلقات اور ریاست کی سرحدوں کے پاکستان سے اشتراک' یہ سب حقائق اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کر لے۔'' قرارداد میں اس امر کا بھی مطالبہ کیا گیا کہ مہاراجہ ریاست کی

آزادی کا اعلان کرے' دستور ساز اسمبلی قائم کر کے خود آئینی سربراہ کی حیثیت قبول کرے اور دفاع' مواصلات اور امور خارجہ کے محکمہ جات پاکستان کی دستوریہ کے سپرد کرے۔ قرارداد میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ اگر مہاراجہ نے اس کے علاوہ کوئی اور قدم اٹھایا تو جموں و کشمیر کے مسلمان ہر طرح سے اس کی مخالفت کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

اس قرارداد کا اعلان ہوتے ہی کانگریس اور مہاراجہ مزید متحرک ہو گئے۔ کشمیری پولیس اور فوج میں تبدیلیاں کی گئیں۔ بھارت سے آر ایس ایس' ہندو مہا سبھا اور سکھ جنگجوؤں کو ریاست میں بلوا لیا گیا۔ 14 اگست کو پاکستان آزاد ہوا تو پوری ریاست ''پاکستان زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ تمام اہم عمارتوں پر پاکستانی پرچم لہرا کر سلامی دی گئی۔ مہاراجہ نے پاکستان کو دھوکا دینے کے لیے عارضی معاہدہ قائم کر لیا' مگر پہلے سے طے شدہ منصوبوں کے تحت مسلمانوں کے قتل عام کا پروگرام بنا لیا۔ شیخ عبداللہ کو جو بغاوت کے مقدمہ میں جیل میں تھا' کانگریس کے کہنے پر رہا کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے آزادی کی تحریک شروع کر کے ڈوگرہ فوج اور ہندو جنگجوؤں سے کافی علاقہ آزاد کرا لیا' مہاراجہ سری نگر سے بھاگ گیا۔ پنڈت نہرو' مہاراجہ' ماؤنٹ بیٹن اور شیخ عبداللہ نے مل کر ایک متنازعہ الحاق کا ڈرامہ رچایا۔ تازہ تحقیق کے مطابق الحاق کی کسی دستاویز پر کسی کے دستخط ہی نہیں ہیں۔ ویسے بھی یہ ریاستی اقتدار سے محروم مفرور مہاراجہ کا الحاق تھا۔ الحاق کا یہ ڈرامہ سری نگر میں بھارتی فوج اتارنے کے لیے رچایا گیا۔ بھارتی اور ڈوگرہ فوجیوں' ہندو جنگجوؤں نے اکتوبر اور نومبر 1947ء میں جموں میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا' جب کہ پانچ لاکھ گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ 68 سال گزرنے کے بعد بھی قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ کشمیری ہر سال 19 جولائی کو یوم الحاق پاکستان مناتے ہوئے اپنے اس عزم مصمم کا اعلان کرتے ہیں کہ جب تک کشمیر کا پاکستان سے الحاق نہیں ہوتا' آزادی کی تحریک جاری رہے گی۔ وہ مسلسل قربانیاں دے رہے ہیں' ان کی استقامت میں کہیں لغزش دکھائی نہیں دیتی' ان کی جدوجہد میں کہیں پریشانی اور تھکاوٹ کے آثار نہیں' ان کے حوصلے اور ہمتیں بلند ہیں' پاکستانی پرچم کو سلامی دیتے ہوئے وہ کسی بھارتی گولی اور بم سے نہیں ڈرتے' ان میں آج بھی 1931ء کے شہداء کا جذبہ ہے' وہاں کی بہنیں آج بھی بھائیوں سے کہتی ہیں کہ بندوق کے لیے میری شادی کا زیور لے لو' کیونکہ شادی تو بغیر زیور کے بھی ہو سکتی ہے' مگر آزادی بندوق کے بغیر نہیں مل سکتی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

فکر اقبال

جاوید سے

اس عنوان کے تحت، علامہ مرحوم نے تین دلکش نظمیں لکھی ہیں جن میں اپنے دوسرے بیٹے جاوید اقبال سے خطاب کیا ہے اور اس کے پردہ میں ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو بیش قیمت نصائح، فرمائی ہیں:

غارت گر دیں ہے یہ زمانہ ہے اس کی نہاد کافرانہ
دربارِ شہنشہی سے خوشتر مردانِ خدا کا آستانہ
لیکن یہ دور ساحری ہے انداز ہیں سب کے جاودانہ
سرچشمہ زندگی ہوا خشک باقی ہے کہاں مئے شبانہ
خالی اُن سے ہوا دبستان تھی جن کی نگاہ تازیانہ
جس گھر کا مگر چراغ ہے تو ہے اُس کا مذاق عارفانہ
جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف تعلیم ہو گو فرنگیانہ
شاخِ گل پر چہک و لیکن کر اپنی خودی میں آشیانہ
وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا ہر قطرہ ہے بحر بیکرانہ
دہقان اگر نہ ہو تن آساں ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
''غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست وقتِ ہنر است و کار سازی ست

1: یہ کفر و الحاد کا زمانہ ہے، جو دین کو مٹانے پر تلا ہوا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس دور میں جو خیالات کارفرما ہیں، اُن کی بنیاد اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر نہیں، بلکہ ملاحدہ، زنادقہ اور دشمن اسلام جماعتوں کے افکار پر ہے۔

2: اے جاوید! بلکہ اے مسلمان نوجوانو! بادشاہوں کے دربار سے اللہ کے مقبول بارگاہ بندوں کی جھونپڑی زیادہ محترم اور دلکش ہے۔ یعنی بادشاہوں کے محلات میں کھانے پینے کو عمدہ چیزیں مل سکتی ہیں لیکن روح کو مسرت نہیں حاصل ہوسکتی۔ یہ نعمت صرف اللہ

والوں کی صحبت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ ❶

3: لیکن یہ عیاری اور فریب کاری کا زمانہ ہے، لہٰذا ہر اُس شخص پر جو متشرع صورت بنا کر تمہیں ''جماعت صالحین'' میں شامل ہونے کی دعوت دے، بغیر تحقیق، ایمان مت لے آنا۔

4: افسوس کہ اس کافرانہ نظام حکومت میں قرآن و حدیث کے علوم تقریباً مٹ گئے اور آج ہمارے ملک میں ان علوم کے ماہرین کا قحط رونما ہو چکا ہے۔ ❷

5: افسوس کہ میرا ملک ان قدسی نفوس انسانوں سے خالی ہو چکا ہے، جن کی نگاہ سے، گناہوں میں آلودہ انسانوں کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ لیکن تو اس حقیقت سے کبھی غافل مت ہونا کہ تو جس خاندان کا نام لیوا ہے، اُس کے افراد ہمیشہ سے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتے چلے آئے ہیں۔

''عارفانہ مذاق'' یہ تصوف کی اصطلاح ہے۔ یعنی بزرگان دین اور اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے کی خواہش۔

6: پس تو اپنے دل کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت سے منور کر لے۔ اس کے بعد اگر تو فرنگی اساتذہ سے مغربی تعلیم حاصل کرے گا تو وہ تعلیم تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ❸

---

❶ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے جاوید کے پردہ میں قوم کے نوجوانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، لیکن افسوس کہ قوم نے اس نصیحت پر عمل نہیں کیا اور سچ پوچھو تو قوم کا اس میں کچھ قصور نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں نے انگلستان کو اپنا کعبۂ مقصود قرار دے رکھا ہے تو نوجوان بغداد یا قاہرہ کیسے جا سکتے ہیں؟ کیا خوب لکھا ہے اکبر الٰہ آبادی نے ؎

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق ورفرف
ٹکٹکی بندھ گئی قوم کی، انجن کی طرف

❷ چنانچہ آج سارے پاکستان میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب مرحوم کے پایہ کا کوئی مفسر یا محدث موجود نہیں۔ بلکہ اب تو مثنوی رومی، اور مکتوبات سرہندی کا پڑھانے والا بھی اس ملک خداداد میں کوئی نظر نہیں آتا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

❸ علامہ نے اس شعر میں دراصل مسلمان والدین کو نصیحت کی ہے کہ اسکولوں میں داخل کرانے سے پہلے اپنے بچوں کے دل و دماغ میں اسلام کی محبت پیدا کر دو، تاکہ وہ مغربی تعلیم کے جراثیم سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن افسوس ہمارا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ اسی لیے اکبر الٰہ آبادی نے ان نوجوانوں کی ''اسلامی زندگی'' پر ان الفاظ میں ماتم کیا ہے ؎

گذران کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

7: اے مسلمان نوجوان! تو شوق سے دنیاوی عزت و جاہ یا مال و دولت حاصل کر، لیکن دنیا یا اس کی دلچسپیوں کو مقصود حیات مت بنا۔ اپنی ملت سے رابطہ استوار کر اور اپنے اسلامی اصولوں کو ہر وقت پیش نظر رکھ، یعنی خودی کی تربیت سے غافل مت ہو۔

8،9: دراصل انسان اپنے اندر غیر محدود طاقتیں رکھتا ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ اور اپنی مخفی قوتوں کو بروئے کار آنے کا موقع دے۔ لیکن اس کے لیے تجھے ہر وقت جدوجہد کرنی ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لے اگر کسان محنت کرتا ہے تو اس کا بویا ہوا ہر دانہ سینکڑوں دانے پیدا کرسکتا ہے۔ اسی طرح تیری شخصیت میں سینکڑوں خوبیاں پوشیدہ ہیں، پس تو سعی پیہم سے اپنی صلاحیتوں کی تربیت کر۔

10: غافل مت ہو، دنیا دارالعمل ہے۔ اپنی زندگی کو کھیل کود میں ضائع مت کر، بلکہ ہنر (علم و فن) حاصل کر اور دنیا میں نام پیدا کر۔

(2)

سینے میں اگر نہ ہو دم گرم رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
نخچیر اگر ہو زیرک و چست آتی نہیں کام کہنہ دامی
ہے آبِ حیات اسی جہاں میں شرط اس کے لیے ہے تشنہ کامی
غیرت ہے طریقتِ حقیقی غیرت سے ہے فقر کی تمامی
اے جان پدر نہیں ہے ممکن شاہیں سے تدرو کی غلامی
نایاب نہیں متاعِ گفتار صد انوری و ہزار جامی
ہے میری بساط کیا جہاں میں؟ بس ایک فغانِ زیر بامی
اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے میں چشم جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے، جسے دے میراث نہیں بلند نامی
اپنے نور نظر سے کیا خوب فرماتے ہیں حضرت نظامی

''جائے کہ بزرگ بایدت بود
فرزندی من ندار وت سود''

1،2: یاد رکھ! اگر دل میں ترقی کا جذبہ نہ ہو تو انسان اس دنیا میں کامیاب زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ دیکھ لے! جو حیوان یا طائر عقل مند اور چالاک ہوتا ہے، وہ صیاد کے جال میں

نہیں آتا۔ اسی طرح اگر تو زیرکی اور چستی سے کام لے تو کسی کے فریب میں نہیں آسکے گا۔

3: آبِ حیات، اسی دنیا میں ہے، اگر تو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے حصول کی تڑپ اپنے دل میں پیدا کر۔

آبِ حیات سے مراد ہے ایسی زندگی جس سے صفت دوام حاصل ہوجائے یعنی اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرا نام دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے تو اس مقصد کے حصول کے لیے کوشش کر۔

4، 5: اے بیٹے! غیرت، یعنی دین کی عزت دنیا میں برقرار رکھنے کا بے پناہ جذبہ، یہی حقیقت طریقت، یعنی شریعت کی روح ہے، اسلامی شریعت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُس پر عمل کرنے سے مسلمان کے اندر دین کے لیے غیرت پیدا ہوجائے ؎

دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور

جب تک غیرت کا رنگ پیدا نہ ہو، شانِ فقر کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ جو چیز مسلمان کو غیر اللہ کی غلامی یا اطاعت سے باز رکھ سکتی ہے، وہ یہی غیرت تو ہے۔ اگر مسلمان میں غیرت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ دیکھ لے، شاہین موت قبول کرلے گا لیکن چکور یا تیتر کی غلامی نہیں کرے گا۔

سلطان ٹیپو شہید میں یہ غیرت ہی تو تھی جس کی بناء پر اُس نے موت قبول کی لیکن کافر کی غلامی قبول نہیں کی اور نظام علی خاں میں اسی جواہر کا فقدان تھا، چنانچہ اس نے غلامی کرلی اور غلاموں کا ایک طویل سلسلہ قائم کردیا اور آج حیدر آباد کا ''راج پرمکھہ'' اسی فقدانِ غیرت کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

6، 7: یاد رکھ! شاعری بذاتِ خود کوئی نایاب یا قابل فخر چیز نہیں ہے۔ دنیا میں ایک نہیں، سیکڑوں آدمی شاعری کے اعتبار سے انوری اور جامی کے ہم پلہ گزر چکے ہیں۔ میں شاعری کو اپنے لیے باعث فخر نہیں سمجھتا۔ میں عرف عام کے لحاظ سے شاعر نہیں ہوں، بلکہ میری حقیقت صرف اتنی ہے کہ میں قوم کو اپنے دردِ دل کی داستان سناتا ہوں، جس طرح کوئی عاشق محبوب کے بالاخانہ کے نیچے کھڑے ہوکر اپنا دردِ دل اُسے سنادے۔

8: میں جو دنیا کی نظروں میں محترم ہوں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں کوئی بلند پایہ شاعر ہوں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے قرآن اور حدیث کے حقائق و معارف نہایت سچائی کے

ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیے ہیں اور کسی کی رعایت نہیں کی۔ ؏

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

9: یاد رکھ! شہرت اور نیک نامی کسی شخص کو میراث میں نہیں مل سکتی۔ یہ دولت صرف اُسے مل سکتی ہے جو اس کے لیے کوشش کرے اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ انہیں لوگوں کو نیک نامی عطا کرتا ہے جو اُس کے مستحق ہوتے ہیں۔

10: میں تجھے وہی نصیحت کرتا ہوں جو نظامی گنجوی نے اپنے بیٹے کو کی تھی کہ اے بیٹے! دنیا میں جس جگہ بزرگی درکار ہے، وہاں محض میرے بیٹے ہونے کی بناء پر تجھے جگہ نہیں مل سکے گی، بزرگی کے مقام پر پہنچنے کے لیے بزرگ ہونا شرط ہے، پس بزرگی حاصل کر۔

(3)

مومن پہ گراں ہیں یہ شب و روز دین و دولت، قمار بازی
ناپید ہے بندۂ عمل مست باقی ہے فقط نفس درازی
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر جس فقر کی اصل ہے حجازی
اُس فقر سے آدمی میں پیدا اللہ کی شانِ بے نیازی
کنجشک و حمام کے لیے موت ہے اُس کا مقام شاہبازی
روشن اس سے خرد کی آنکھیں بے سرمہ بو علی و رازی
حاصل اُس کا شکوہِ محمود فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
تیری دنیا کا یہ سرافیل رکھتا نہیں ذوقِ نَے نوازی
ہے اس کی نگاہِ عالم آشوب در پردہ تمام کارسازی
یہ فقر غیور جس نے پایا بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

1: مومن اس دنیا اور اس کی فریب کاریوں سے ہر وقت متنفر رہتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا پرست علماء اور امراء دونوں حصول جاہ کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ جب بندۂ مومن یہ دیکھتا ہے کہ ''دین دار'' لوگ ضرورت کے وقت ''دین'' کو بھی داؤں پر لگا دیتے ہیں تو اُسے بہت رنج ہوتا ہے۔

2: آج دنیا ہر قسم کے فنکاروں سے بھری پڑی ہے لیکن مردِ مجاہد کہیں نظر نہیں آتا۔

3: اے بیٹے! اگر تجھ میں ہمت ہو تو اپنے اندر وہ فقر پیدا کر جس کی تعلیم سرکار دو عالم ﷺ نے دنیا کو دی تھی۔

نوٹ:.....فقر کی دو قسمیں ہیں۔ایک فقر حجازی۔ دوسرا فقر ہندی۔

4: فقر حجازی کی شناخت یہ ہے کہ اس فقر سے آدمی میں اللہ کی ہی شان بے نیازی پیدا ہوجاتی ہے۔یعنی صاحب فقر حجازی کسی انسان کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا اور نہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا سمجھتا ہے۔

5: اس صاحب فقر کا مقام کافروں کے حق میں اسی طرح پیامِ موت بن جاتا ہے، جس طرح شہباز کا مقام چڑیا اور کبوتر کے لیے۔یعنی مرد مومن کفار پر اسی آسانی کے ساتھ غالب آسکتا ہے جس آسانی کے ساتھ شہباز کبوتر پر۔

6: نیز اس فقر سے انسان کی عقل، بوعلی سینا اور امام فخر الدین رازی (صاحب تفسیر کبیر) کی تصانیف کا مطالعہ کیے بغیر منور ہوجاتی ہے۔

7: اور اگر فطرت میں غلامی کا مادہ موجود نہ ہو (جس کا کوئی علاج نہیں) تو اس فقر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بت شکن بن جاتا ہے اور اُسے وہی سطوت حاصل ہوجاتی ہے، جو سلطان محمود غزنوی کو حاصل تھی۔

8،9: یہ مردِ مومن، دراصل مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔یعنی اُس کی صحبت کے فیض سے کافر، مسلمان ہوجاتے ہیں، لیکن اُسے نَے نوازی کا چنداں شوق نہیں ہوتا یعنی وہ اسرافیل کی طرح صور پھونک کر عالم کو تہہ و بالا نہیں کرتا، بلکہ محض اپنی نگاہ سے انقلاب پیدا کرسکتا ہے اور کرتا ہے یعنی مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ دوسرا مطلب اس شعر کا یہ ہوسکتا ہے کہ جو کام اسرافیل صور سے لیتا ہے، مومن یہ کام اپنی نگاہ سے لیتا ہے۔ بظاہر اس کی نگاہ سے دنیا میں طلاطم برپا ہوجاتا ہے لیکن دراصل وہ اپنی نگاہ سے بگڑے ہوئے کام بناتا ہے اور لوگوں کی کارسازی کرتا ہے یعنی اس کا وجود دنیا کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے۔

10: جو مسلمان اس فقر غیور کا مالک ہوتا ہے، وہ اپنی زبان سے وہی کام لے سکتا ہے جو ایک غازی تیر و سناں سے لیتا ہے۔یعنی غازی اور صاحب فقر دونوں جہاد کرتے ہیں، ایک تلوار سے دوسرا اپنی نگاہ اور زبان سے۔ غازی تلوار سے کفر کا مقابلہ کرتا ہے اور فقیر اپنی

نگاہ سے۔

چنانچہ جو کام شہاب الدین غوری نے تلوار سے کیا وہ ہمارے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سلطان الہندؒ نے نگاہ سے انجام دیا۔

11: پس اے نوجوان! تو اللہ سے اس فقیری کے حصول کی دعا کر، کیونکہ مومن کے لیے یہی فقیری دراصل امیری ہے۔

اقبال نے اس خیال کو اپنی کئی کتابوں میں مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا نصب العین یہی ہے کہ مسلمان فقر کی طاقت سے حکومت کرے، تاکہ وہ حکومت دنیا کے لیے رحمت بن سکے اور سچ تو یہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت اسی لیے اہل عالم کے لیے باعث رحمت تھی ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

☆ سلطان شہاب الدین غوری کا نام غایت شہرت کی بناء پر محتاج تعارف نہیں ہے۔ اسی خوش نصیب سلطان نے 1194ء میں دہلی اور اجمیر کے آخری فرمانروائے پتھورا کو میدانِ جنگ میں قتل کر کے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ 1206ء میں باطنی فرقہ کے ایک پیرو نے دھوکہ سے قتل کر دیا۔

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ ولادت سنجر 530 ہجری۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ ہم نے تمہیں ہندوستان کی ولایت (روحانی بادشاہت) عطا کی۔ چنانچہ آپ 586 ہجری میں لاہور تشریف لائے اور مخدوم عالم حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویریؒ کے مزار مبارک پر چالیس دن قیام کے بعد دہلی کو اپنے قدموں سے برکت دی۔ وہاں سے پا پیادہ اجمیر تشریف لے گئے۔ راستہ میں جس پر نگاہ پڑ جاتی تھی، آپ کا حلقہ بگوش ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپ اجمیر پہنچے تو ہمرائیوں کی تعداد آٹھ سو سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سلطان شہاب الدین نے تلوار کے زور سے ملک فتح کیا، آپ نے نگاہ کے زور سے قلوب مسخر کیے۔

شیخ علی طنطاوی
ترجمہ: سیّد شبیر احمد

ایمان بالغیب

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر انسان کو اس دنیا میں اس کے حواس اور عقل کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا کہ جو کچھ حواس محسوس کریں، عقل بس ان ہی کے متعلق فیصلے کرتی رہے تو ہم یقیناً مادرائی امور سے یک سر بے خبر رہ جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور ہم پر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے عقل کو امورِ غیبیہ کے ادراک سے عاجز ہونے کی حالت میں نہیں رہنے دیا بلکہ اسے اس کی ضرورت کے مطابق امور غیبیہ کا علم بھی اپنی طرف سے عطا فرما دیا۔

انسان کے حواس موجودات میں سے ہر چیز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کہ کائنات میں مادی چیزوں کے علاوہ بھی ایسی حقیقتیں موجود ہیں جن کا ادراک ہم اپنے حواس کے ذرائع سے نہیں کر سکتے۔

ان حقائق میں سب سے زیادہ قریبی حقیقت خود ہماری روح ہے، ہر شخص اس کی وجہ سے زندہ ہے لیکن کیا کوئی اس کے وجود سے انکار کر سکتا ہے؟

ظاہر ہے کوئی نہیں۔ پھر کیا کسی شخص نے روح کی حقیقت کو سمجھا ہے؟ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔

یہ عالم جسے ہم جانتے ہیں اور نظر آ رہا ہے اس کو قرآن مجید نے ''عالم شہادۃ'' کا نام دیا ہے اور جو عالم ہمارے حواس کے دائرۂ ادراک سے باہر ہے یعنی ماورائی عالم (میٹافزکس)، اس کا نام ''عالم غیب'' رکھا۔

عالم شہادۃ پر ایمان لانے اور اسکے موجود ہونے کی تصدیق کرنے کے سلسلے میں سب لوگ برابر ہیں۔ حتیٰ کہ بے زبان جانور بھی اپنی حس کی مدد سے اس عالم کے موجود ہونے کا ادراک رکھتے ہیں۔ گویا اس پر ایمان لانے سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہوتی، اس لیے کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔

لیکن غیب پر ایمان لانے کی بنا پر ان لوگوں کو برتری حاصل ہے جو خود تو امور غیبیہ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن خبر صادق پر اعتماد کرتے ہوئے انہوں نے اس کے موجود ہونے کی تصدیق کی ہے۔

یہی وہ امتیاز ہے جو متقین کو حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتدا میں متقیوں کا پہلا وصف ایمان بالغیب بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ (البقرة:2)

''جو نادیدہ حقیقتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

ہم غیب پر کس طرح ایمان لائیں؟

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے حواس ہی نہیں عطا فرمائے جن سے امورِ غیبیہ کا ادراک کیا جا سکے تو ہم غیب پر ایمان کس طرح لائیں؟

ظاہر ہے کہ اگر انسان کو اس دنیا میں اپنے حواس اور عقل کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا کہ جو کچھ حواس محسوس کریں عقل ان کے متعلق فیصلے کرتی رہے تو ہم یقیناً ماورائی امور سے بے خبر رہ جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور ہم پر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے عقل کو امور غیبیہ کے ادراک سے عاجز ہونے کی حالت میں نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ضرورت کے مطابق امور غیبیہ کا علم بھی اپنی طرف سے عطا فرما دیا۔

یہ علم انسان کے اندر سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ باہر سے آتا ہے۔ یہ نہ تو وجدانِ نفس ہے اور نہ روحانی الہام، نہ ذہن کی روشنی ہے اور نہ عقل کا استنباط واستدلال، گویا یہ علم انسانی طاقت کے کسی منبع سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ باہر سے مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے آتا ہے:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ خواب میں یا غیبی اشارے سے یا تلقین کے کسی اور انداز سے جس میں انسان کے عمل کا دخل نہ ہو اور انسان اپنی کوشش سے اس تک پہنچ نہ سکتا ہو، خود اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں یہ علم رکھ دے اور انسان اسے محسوس کرے اور بیان کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آواز انسان کو سنائی دے مگر اس کا حقیقی کہنے والا نظر نہ آئے لیکن وہ اس آواز کو سن کر اس کا مفہوم سمجھ لے اور محفوظ کر لے۔

(۳) تیسری قسم جو سب سے زیادہ کثیر الورود اور عام ہے' یہ ہے کہ اللہ اپنی برگزیدہ مخلوق میں سے کسی اپنے مطیعِ فرمان کو جو ہمیں نظر نہیں آ سکتا اور جسے فرشتہ کہا جاتا ہے کسی انسان کے پاس بھیجے اور اس انسان کو اس مقصد کے لیے منتخب اور مخصوص فرما لے۔ اور یہ فرشتہ اسے اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا رہے اور وہ اللہ کے حکم سے دوسرے انسانوں کو پہنچائے۔

بس صرف یہ تین طریقے ہیں' ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو' ارشادِ باری تعالیٰ:

''کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے رو بروبات کرے۔ اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے' یا پردے کے پیچھے سے' یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔'' (الشوریٰ:51)

غیب کی وہ باتیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے:

وہ امورِ غیبیہ جن کا ماننا ایمان کی شرط ہے اور جن کا منکر کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے' وہ قرآن مجید میں مذکور امور غیبیہ ہیں۔ اس کے علاوہ جن غیب کی باتوں کا احادیث صحیحہ میں ذکر ہے ان کا منکر نہ تو کافر ہوگا نہ ملتِ اسلامیہ سے خارج سمجھا جائے گا' البتہ فاسق ہوگا۔

قرآن مجید اور حدیث کے درمیان جو فرق اوپر بیان کیا گیا ہے اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ وحی دو قسم کی ہے: ایک وہ جو آنحضرت ﷺ نے بصورت قرآن ہمیں پہنچائی۔ دوسری وہ جو بطورِ حدیث ارشاد فرمائی۔ یہ دونوں مسلمان کے لیے حجت (دلیل قطعی) ہیں اور حجت ہونے کے لحاظ سے دونوں کا درجہ برابر ہے۔

قرآن کے لفظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کیے گئے ہیں اور حدیث بھی اللہ کی وحی ہے لیکن صرف معنی کے اعتبار سے اس کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (سورة النجم:4-3)

''وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا' یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ سے قرآن مجید کی آیت یا آپؐ کی فرمودہ حدیث جو بھی

سنتے تھے وہ ان دونوں میں واجب العمل ہونے اور حجت ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔

دراصل فرق جو پیدا ہوا ہے طریقۂ روایت سے پیدا ہوا ہے۔ قرآن مجید ایسے معتبر طریقے اور قابل اعتماد تسلسل کے ساتھ دست بدست ہم تک پہنچا ہے کہ ہم اس بات کا یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآن میں موجود آیات بعینہٖ وہی ہیں جو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ پر لے کر نازل ہوتے تھے اور وہی الفاظ وآیات آنحضرت ﷺ نے بعینہٖ صحابہ کرام کو پہنچا دیے۔ ان میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی نہ کسی قسم کی تبدیلی۔

اس کے مقابلہ میں احادیث کا بڑا حصہ (کل کے متعلق ایسا نہیں کہا جا سکتا) ایک فرد سے دوسرے فرد تک پہنچا ہے اور اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ علماء حدیث نے روایات کی تحقیق اور راویانِ حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں انسانی طاقت کی حد تک کوشش کی انتہا کر دی ہے۔ اس کے باوجود ہم قطعیت کے ساتھ یہ بات کہ ''جو حدیث امام بخاری' امام مسلم یا دوسرے اکابر محدثین نے روایت کی ہے وہ بعینہٖ وہی ارشاد ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا اور آپؐ ہی کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں'' اتنے وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے جتنے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا۔

اور چونکہ دین کی بنیاد عقیدہ ہے اور اسی میں خلل ہونے سے انسان کافر ومرتد ہوتا ہے لہٰذا جب تک کسی مسلمان کے قول وعمل میں کفر نہ ہونے کا ذرا سا احتمال بھی موجود ہو تو اسے کافر یا مرتد نہیں کہہ سکتے۔

اسی بنا پر ہم نے یہ بات کہی ہے کہ جو شخص کسی ایسے عقیدے کا انکار کرے گا جو صراحتاً قرآن میں مذکور ہو وہ کافر ہو جائے گا اور جو شخص ایسے عقیدے کا انکار کرے گا جو حدیث صحیح میں وارد ہوا ہو وہ کافر نہیں ہوگا البتہ فاسق ہوگا اور فاسق بھی اسی صورت میں کہا جائے گا جب وہ اس کا انکار عناد اور مخالفت کی بنا پر کر رہا ہو۔ اگر انکار کرنے والا علماء حدیث میں سے ہو اور حدیث کے وجوہ وعلل سے واقف ہو اور کسی ایسے نقص کی بنا پر اس حدیث کو رد کر رہا ہو جو حدیث کے متن یا اس کی سند میں اسے نظر آتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا' نہ اسے الزام دیا جائے گا۔

امور غیبیہ

غیب کی وہ باتیں جن کی خبر شریعت نے دی ہے' جن پر ایمان لانا واجب ہے اور جن کے

انکار سے کفر لازم آتا ہے' وہ یہ ہیں:

ملائکہ اور جنوں کا وجود' اللہ کی نازل کی ہوئی کتابیں' اللہ کے رسول' یوم آخرت اور آخرت کا حساب' اس کے بعد کا عذاب یا ثواب اور تقدیر کا خیر وشر۔

نیز قرآن مجید میں انسان اور کائنات کی تخلیق کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور ان کے علاوہ بھی جو اطلاعات قرآن مجید نے دی ہیں ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

مادہ پرست ان چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں اپنے حواس سے محسوس کر سکیں اور باقی ہر چیز کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے اس مسلک کو ہم قواعد عقاید کے بیان میں اس دلیل سے غلط ثابت کر چکے ہیں کہ ''اگر کسی چیز کو ہم نہیں جان سکتے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ موجود ہی نہیں ہے اور محض اس وجہ سے کہ ایک چیز کو ہم اپنے حواس کے ذرائع سے نہیں جان سکتے ہمیں یہ حق نہیں مل جاتا کہ ہم اس کے وجود ہی سے انکار کر دیں۔''

مزید برآں دوسرے قاعدے میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ''سچی خبر سے بھی اسی طرح یقین حاصل ہوتا ہے جس طرح حواس کے ذرائع سے۔''

اور چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو کچھ اللہ کی طرف سے پہنچا آپؐ نے بعینہٖ پوری طرح پہنچا دیا اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہی تمام علم واطلاعات بعینہٖ (بصورت قرآن) ہم تک پہنچی ہیں۔ اسی بنا پر ہم مسلمانوں کا ان امور غیبیہ پر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے پورا پورا ایمان اور یقین ہے۔

غیب کی قسمیں

امور غیبیہ کی کئی قسمیں ہیں اور یہ سب کی سب غیب کہلاتی ہیں:

۱: ایک قسم وہ امور ہیں جن کا ادراک ہم تو نہیں کر سکتے لیکن ہمارے علاوہ کچھ اور لوگوں نے ان کو دیکھا اور جانا۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ' اللہ تعالیٰ نے اسے بھی غیب قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی قوم نے اس واقعہ کو نہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور نہ سنا تھا لیکن اولاد یعقوب علیہ السلام یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کو اس کا ادراک تھا۔ یہ واقعہ ان پر گزرا تھا بلکہ ان کی اپنی وارداتِ حیات تھی۔

۲: دوسری قسم وہ امور ہیں جن کو اولادِ آدم نے دیکھا تو نہیں لیکن عقلاً ان کا ادراک ممکن

ہے۔ اگر انسان اس زمانے میں موجود ہوتا تو ان امور کو دیکھ سکتا تھا۔

مثلاً وہ حوادث اور واقعات جو اس زمین پر ہم سے پہلے پیش آ چکے ہیں یا ان مخلوقات کا ذکر جو انسان سے پہلے زمین پر آباد تھیں یا ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے واقعات اور زمین پر حیاتِ انسانی کی ابتدا۔

یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں ہم نے واقعتاً بطورِ خود دیکھا اور جانا نہیں۔ البتہ ان کے متعلق ہمیں بذریعہ وحی اطلاع دی گئی ہے۔

۳: تیسری قسم وہ باتیں ہیں جن کو حواس کے ذرائع سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ نہ عقل ان کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکتی ہے اور نہ ہمارا تصور وخیال ان کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ جیسے صفات باری تعالیٰ یا مخلوقات غیبیہ مثلاً ملائکہ، جن، شیاطین اور یوم قیامت کے حالات و واقعات یا حساب وکتاب اور ثواب وعذاب کے حالات وکوائف۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

کہا جاتا ہے کہ غیب کی کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص رکھا ہے مثلاً یہ کہ بارش کب ہوگی؟ یا رحم مادر میں کیا ہے؟ وغیرہ۔

اگر یہ بات درست ہے تو پھر موسمیات والے یہ پیش گوئی کیسے کر دیتے ہیں کہ کل بارش ہو گی یا مطلع صاف رہے گا؟ اسی طرح سائنسی طریقوں سے یہ کیسے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ حاملہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

۱: قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کائنات کا اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن مجید میں کوئی صریح نص ایسی ہو جو کسی حقیقتاً موجود اور ٹھوس مشاہدے میں آنے والے واقعہ کے خلاف ہو یا اس کے وجود سے انکار کرے۔ اگر کوئی ایسی نص آپ کو نظر آئے جو بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہو تو اس پر مزید غور وخوض کیجیے جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دراصل اس کے وہ معنی نہ تھے جو بظاہر ہم نے سمجھے تھے۔

۲: علاوہ ازیں موسمی پیش گوئی کرنے والے جو بارش کی اطلاع دیتے ہیں وہ بارش کے آثار دیکھ کر اور بارش برسنے کے انتظامات مکمل ہو جانے کے بعد دیتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ پیش گوئی کرتے ہیں کہ شام کے ساحلی علاقے میں بارش ہوگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس نے قوانین فطرت کے اکتشاف سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اس بارش کا باعث وہ ہوا ہے جو بحیرۂ اطلانتک کی جانب سے آتی ہے اور جبل الطارق کی تنگ وادی میں سے گزرتے وقت اسی مقام پر رکی ہوئی ہوا کے بلاک سے ٹکراتی ہے اور چونکہ ٹھہری ہوئی ہوا اور تازہ آنے والی ہوا کے درجۂ حرارت میں اختلاف ہوتا ہے اس وجہ سے بادل بن جاتے ہیں۔

جب موسمیات والے یہ کیفیت دیکھتے ہیں تو قوانین طبیعیہ کی معلومات کے حوالے سے جان لیتے ہیں کہ بادل اتنی مدت میں ساحل شام تک پہنچ جائیں گے اور پیش گوئی کر دیتے ہیں۔

گویا ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے گھر کی کھڑکی میں سے پوسٹ مین کو آتے ہوئے دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے کہ وہ کتنی دیر میں اس کے گھر تک پہنچ جائے گا اور اپنے گھر والوں سے کہتا ہے کہ پانچ منٹ تک پوسٹ مین آ جائے گا یا کوئی شخص دور بین سے ایک موٹر آتے ہوئے دیکھتا ہے اور اس سے پہلے کہ موٹر دوسروں کو نظر آئے اطلاع دے دیتا ہے کہ موٹر آ رہی ہے۔

ان سب صورتوں میں ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ علم غیب نہیں تھا بلکہ انہوں نے ہونے والے واقعہ کو دوسروں سے پہلے دیکھ لیا تھا۔ یہی صورت ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو رحم میں بچہ بن جانے کے بعد اس کی صنف کے بارے میں پیش گوئی کرتے ہیں۔

بادل کا پیدا کرنا یا ایسی زمین پر بارش برسانا جہاں اللہ تعالیٰ نے بارش کا نہ ہونا مقدر فرما رکھا ہے' یا ایسی زمین سے بارش کو روک دینا جس پر برسنا اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے' یا منی کے نطفے (سپرم) کو یا ایسے خلیے کو دیکھ کر جو نطفۂ منی اور بیضہ انثیٰ سے مل کر بنا ہو یہ بتا دینا کہ پیدا ہونے والا بچہ نر ہے یا مادہ' انسان کے اختیار میں نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو بات فرمائی گئی ہے اس سے یہی مراد ہے۔ (واللہ اعلم)

ملائکہ' رسول اور آسمانی کتابیں:

ملائکہ پر ایمان' رسولوں پر ایمان بنیادی عقیدے ہیں' اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔

ملائکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ جو انبیا علیہم السلام کے پاس وحی لاتے ہیں اور انبیا انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ کتابیں اللہ تعالیٰ کے فرامین ہیں جو فرشتے رسولوں کے پاس لے کر آتے

ہیں اور اللہ کے رسول یہی ارشاداتِ ربانی انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔

وحی کا امکان اور ضرورت

وحی کے امکان کو عقل تسلیم کرتی ہے اس لیے کہ اگر عقل اللہ تعالیٰ کے موجودہ ہونے پر' اس کی قدرت اور مشیت پر ایمان لے آئے تو وہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ پیدا کرنے' رسولوں کا انتخاب فرمانے اور احکام نافذ فرمانے پر بھی قادر ہے۔

علاوہ ازیں وحی کا واقعتاً آنا ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں ہمیں خبر صادق کے ذریعہ سے اطلاع ملی ہے اور ''خبر صادق'' علم یعنی یقین کے ذرائع میں سے ایک مستند ذریعہ ہے' ہم خبرِ صادق پر اسی طرح یقین کر لیتے ہیں جس طرح سمع وبصر کی شہادت پر۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر اطلاع کا یہ ذریعہ (خبر صادق) موجود نہ ہوتا تو انسان کی معلومات صرف عالم مادی تک محدود رہتیں اور اس کے ماورا جو کچھ ہے اس سے انسان بے خبر رہ جاتا اور اس صورت میں اس کی حالت چوپایوں اور جانوروں کی سی ہوتی جن کے پیش نظر صرف دنیا ہی دنیا ہے۔ کھاتے پیتے ہیں اور بچے پیدا کرتے ہیں یا جسمانی لذتیں حاصل کرتے ہیں۔ نہ تو ان کا اپنے رب سے کوئی رابطہ ہے اور نہ اخروی زندگی کے لیے کچھ عمل کرتے ہیں۔

اور اگر وحی نہ ہوتی تو انسان مکارمِ اخلاق اور شرفِ انسانیت سے عاری ہو جاتا اور ''علم اخلاق'' (ETHICS) کے تمام نظریات اور بنیادیں بھی (جن پر اس علم کا ڈھانچہ کھڑا ہے) کھو دیتا۔ کیونکہ اخلاق کی عمارت اگر عقیدے کی بنیاد پر استوار نہ ہو تو وہ اس عمارت کی مانند ہے جو ریت کے ٹیلے پر کھڑی ہو۔ انسانی خمیر میں فطری طور پر اپنی ذات سے محبت' فائدے کا حصول اور نقصان کو دفع کرنا شامل ہے۔ بنا بریں انسان کوئی کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اس کام میں اس کے لیے کوئی لذت یا فائدہ نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس صرف ایک روپیہ ہو جو اس نے اپنے شام کے کھانے کے لیے بچا رکھا ہو' اسے سر راہ یتیموں کی مدد کے لیے رکھا ہوا صندوق نظر آئے تو اگر یہ شخص اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو تو کیا یہ بچا ہوا روپیہ اس صندوق میں چپکے سے اس طرح ڈال دے گا کہ اسے کوئی نہ دیکھ پائے اور خود بھوکا سو رہے گا؟

لیکن اگر یہ مومن ہوگا تو ضرور ایسا کرے گا' اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا اللہ اسے دیکھ رہا ہے' جو اس کے بدلے روز قیامت سات سو روپے دے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف مومن ہی اس بے نیازی سے کام کرسکتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں یا نہ دیکھیں' اس کا شکر ادا کریں یا نہ کریں' اس کے بدلے میں اسے کوئی فائدہ یا معاوضہ ملے یا نہ ملے وہ نیکی کرے گا اور صرف مومن ہی برا کام اس انداز میں ترک کرسکتا ہے کہ تنہا ہو یا لوگوں کے سامنے' برے کام سے بچا رہے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ نیکی' ستائش یا فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ کرتے ہیں وہ نیک کام صرف اسی وقت کریں گے جب انہیں کوئی دیکھنے والا ہو جو ان کی تعریف کرے یا کچھ عطا کرے۔ اسی طرح جو لوگ بدنامی یا سزا کے خوف کی وجہ سے برے کام سے بچتے ہیں وہ اگر تنہا ہوں اور پولیس یا لوگوں کا ڈر نہ ہو تو برے کام سے باز نہ رہیں۔

پھر وحی کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اگر رسولوں کو بھیجے بغیر اور شریعت اور دین سکھائے بغیر اللہ تعالیٰ روز قیامت انسانوں سے حساب طلب فرماتا تو وہ احتجاج کر سکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ:

﴿رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ (سورة طٰه :134)

''اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی اختیار کر لیتے۔''

اور دعویٰ کرتے کہ اگر ہمارے پاس رسول بھیجے جاتے تو ہم ان کے کہنے کے مطابق عمل کرتے اور اگر ہمیں شریعت معلوم ہوتی تو ہم اس کی پیروی کرتے۔ بنابریں تمام انبیاء ورسل اس لیے بھیجے گئے:

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (سورة النساء :165)

''تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔''

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ہدایت دے کر جنت کی راہ پر کیوں نہ ڈال دیا؟

پہلے اللہ تعالیٰ نے خود ہی انسان کے نفس میں خواہشات نفسانی پیدا فرمائیں پھر اگر کوئی شخص خواہش نفس سے مجبور ہو کر زنا کرتا ہے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔

خود ہی انسان کے ضمیر میں مال کی محبت ڈال دی' پھر اگر وہ ناجائز ذرائع سے مال جمع کرتا ہے تو اس سے حساب لیا جائے گا۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ یہ بات سکول کے ان لڑکوں کی سی ہے جو کہیں کہ ہمیں امتحانی سوالات سال کے شروع میں ہی کیوں نہیں دے دیے جاتے۔ انہیں ہم سے چھپا کر کیوں رکھا جاتا ہے اور ہمیں امتحان کے لیے تیاری کی مصیبت میں کیوں ڈالا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ امتحانی سوالات اس لیے مخفی رکھے جاتے ہیں کہ طلبہ خوب محنت کریں اور مقررہ نصاب پوری طرح پڑھیں۔

اگر امتحانی سوال پہلے ہی بتا دیے جائیں تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔

یہ دنیا دارالابتلا (امتحان کا گھر) ہے۔ ابتلا عربی زبان میں امتحان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا دنیا میں انسان اس لیے بھیجا گیا ہے کہ نیک اور بد لوگوں میں یعنی سیدھے راستے پر چلنے والوں اور گمراہوں میں فرق وامتیاز کیا جا سکے۔ اگر گھڑ دوڑ کے میدان میں رکاوٹیں نہ ہوں تو کمزور وسست رفتار سوار اور تیز وطرار شہ سوار میں فرق وامتیاز نہ ہو سکے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی مسلک پر ڈال دیتا یا فرشتوں کی طرح سب کی فطرت خیر محض بنا دیتا۔ لیکن اس کی مشیت انسان کے سلسلے میں یہی تھی (کہ وہ ایسا ہو جیسا کہ ہے) اور باری تعالیٰ شانہٗ کی مشیت سے نہ کوئی اختلاف کر سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

ہم سب اس کے حضور سرافگندہ ہیں۔ وہ ہی ہمارا مالک ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس کے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے نہ معبود۔ ہمارے انجام کا فیصلہ اس کی مرضی پر منحصر ہے' چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو سزا دے۔

ہم ہر وقت اللہ سے رحمت وعفو کے طلب گار ہیں اور اس کے عذاب سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے معاف فرمائے بغیر ہم میں عذاب سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اور معاف فرما سکتا ہے تو صرف وہی' اس کے سوا کوئی اور نہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: ایم اے ہاشمی

موت

موت بڑی ہولناک چیز ہے۔ موت کے بعد کے واقعات اس سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔ ان کا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو مکدر بناتا ہے اور اس ناپائیدار دنیا کی محبت کو دل سے نکال دیتا ہے۔ دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ و بنیاد ہے۔ پس جب دل کو دنیا سے نفرت ہوگئی تو سب کچھ مل گیا اور دنیا سے نفرت اس وقت ہوگی جب کہ موت کی فکر اور خیال ہوگا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنے والی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے مل کر رہے گی۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ موت کی یاد سے اپنی لذتوں کو مکدر کرو تا کہ تمہارا میلان ان کی طرف نہ رہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اور فرمایا کہ بہائم کو وہ بات معلوم ہو جو تم جانتے ہو تو تم ان میں سے کسی کو فربہ نہ پاؤ۔ یعنی سب لاغر ہو جائیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: بھلا شہیدوں کے ساتھ بھی کوئی اٹھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں جو رات دن میں موت کو بیس دفعہ یاد کرے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ موت مومن کے لیے تحفہ ہے' یہ اس لیے کہ دنیا ایماندار کے لیے قید خانہ ہے۔ وہ ہمیشہ اس میں رنج و تعجب میں مبتلا رہتا ہے۔ نفس اور شیطان سے مصیبت بھگتتا رہتا ہے۔ موت کے باعث اس کو اس عذاب سے چھٹی ہو جاتی ہے۔ چھوٹنا اس کے لیے تحفہ ہے۔

ایک شخص کا حضور ﷺ کے سامنے ذکر ہوا۔ لوگوں نے اسکی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا دوست موت کی یاد میں کیسا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے اسے موت کو یاد کرتے نہیں سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو وہ اس مرتبے کا نہیں جس کا تم اس کو سمجھے ہوئے ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اکثر فقیہوں کو جمع کرتے۔ وہ موت اور آخرت اور قیامت کا چرچا کرتے۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے دنیا کی لذت مجھ سے علیحدہ کر دی' ایک موت کا ذکر کرنے اور دوسرا خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے۔ "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتُ"

فکر موت

فکر موت کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات دل سے نکال دو اور قلب کو بالکل خالی کر کے توجہ اور عزم کے ساتھ موت کا دھیان کرو۔ اول اپنے دوستوں اور اعزاء واقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گزر گئے۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں۔ یہ لوگ کیسی کیسی امیدیں ساتھ لے گئے۔ حرص وامل نے ان میں اپنا کتنا زور دکھایا۔ جاہ وجلال ومال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں ان کے دلوں میں رہیں۔ مگر وہ سب خاک میں مل گئے اور آج منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کہ کوئی شخص ان کا نام بھی نہیں لیتا۔ اس کے بعد مرنے والوں کے بدن' جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہو گئے' گل سڑ گئے' پھٹ گئے اور کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن گئے۔ اس کے بعد ان کے اعضاء وجوارح میں سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہ تھی' وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت کیا کرتے تھے۔ دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بن گئے۔ غرض اس طرح دھیان کرو گے تو سعید بن جاؤ گے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔'' افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں۔

سکرات موت

جان کنی اور اس کی شدت کے سوا کوئی خطرہ درپیش نہ ہو تو بھی لازم تھا کہ سکرات موت کا خوف دل میں رکھ کر دنیاوی عیش ونشاط سے آدمی پرہیز کرتا کیونکہ اس بات کا خوف ہو کہ سپاہی گھر میں گھس کر مجھے مارے گا تو کھانا دانہ اچھا نہیں لگتا حالانکہ سپاہی کا آنا ایک مشتبہ امر ہے جبکہ ملک الموت کا آنا اور روح قبض کرنا یقینی ہے۔ سب بزرگ متفق ہیں کہ جان کنی کی اذیت تلوار سے ٹکڑے ہونے کی اذیت سے سخت ہے۔ زخم کے درد کا سبب یہی ہے کہ جہاں زخم کا اثر پہنچتا ہے وہاں کی روح کو اذیت ہوتی ہے۔ اور جان کنی کی اذیت تو ہوتی ہی عین روح میں ہے جو آدمی کے تمام اجزائے بدن کو گھیرے ہوتی ہے۔ سکرات موت کے وقت آدمی کمزوری کے سبب چپ رہتا ہے۔ اس کی سختی کے سبب اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور عقل بجا نہیں رہتی۔ حضور ﷺ سکرات کے وقت کے لیے یہ دعا مانگتے: ''الٰہی محمد پر سکرات موت آسان فرما دے۔'' حضرت طاہرہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جسے جان کنی میں آسانی ہوگئی میں اس سے کوئی

امید نہیں رکھتی اس لیے کہ جناب سرور کائنات ﷺ کی جان کنی کی سختی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس وقت آپ ﷺ فرماتے: ''اے اللہ تو ہڈیوں اور رگوں سے روح نکالتا ہے۔ یہ سختی مجھ پر آسان فرما دے۔'' ایک صحابی کا قول ہے کہ مسلمان کے واسطے ایسے درجات باقی رہ جاتے ہیں کہ عمل کے ذریعے ان درجات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ جان کنی کو اس کے لیے مشکل کر دیتا ہے تاکہ وہ ان درجات کو حاصل کر سکے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ سکرات موت میں تم نے اپنے آپ کو کیسے پایا۔ عرض کیا کہ جیسے زندہ مرغ کو بھونا جائے' وہ اڑ سکے نہ مر سکے۔ حضرت فاروق اعظمؓ سے حضرت کعبؓ الاحبار نے پوچھا: جان کنی کا کیا حال ہے؟ فرمایا: اس کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ جیسے کانٹے دار شاخ کسی کے پیٹ کے اندر چبھو دیں اور ہر ہر کانٹا رگ میں الجھ جائے اور طاقت ور آدمی اس کو کھینچے۔

گنہگار و اہل طاعت کی جان نکالتے وقت ملک الموت کی شکل

ملک الموت گنہگار شخص کے لیے جس شکل میں روح قبض کرتے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے دیکھنے کی خواہش کی۔ حضرت عزرائیلؑ نے کہا: آپ تاب نہیں لا سکیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اصرار کیا تو ملک الموت نے ایسی صورت دکھائی کہ ایک کالے رنگ کا موٹے موٹے بالوں والا جانور کھڑا ہے۔ اس کا لباس سیاہ رنگ کا ہے۔ شعلے اور دھواں اس کے منہ سے نکل رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے اور ملک الموت اپنی صورت میں آ گئے تو آپ نے کہا: ''ملک الموت! گنہگار شخص کے لیے تمہاری صورت دیکھنا ہی کافی ہے۔''

اہل طاعت اس ہول سے بچے رہتے ہیں کیونکہ وہ ملک الموت کو اچھی صورت میں دیکھتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت سے کہا: تم لوگوں سے عدل کیوں نہیں کرتے' ایک کی جان جھٹ پٹ نکال لیتے ہو' ایک کو دیر تک تڑپاتے ہو۔ انہوں نے کہا: یہ بات میرے اختیار میں نہیں' ہر کسی کے نام کا صحیفہ مجھے ملتا ہے۔ جیسے حکم ہوتا ہے ویسے کرتا ہوں۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ پندرہویں شعبان کو ایک صحیفہ ملک الموت کو ملتا ہے' اس میں ان لوگوں کے نام ہوتے ہیں جن کی روح قبض کرنا ہوتی ہے۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی عمارت میں' کوئی شادی میں اور کوئی جھگڑوں میں مصروف ہوتا ہے۔

مرنے کے وقت ہیبت' خوف اور راحت

غرض یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ملک الموت کو دیکھے بغیر چارہ نہیں۔ دوسری ہیبت ان دونوں فرشتوں کو دیکھنے کی ہے جو ہر آدمی پر مسلط ہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ موت کے وقت یہ دونوں فرشتے آدمی کو نظر آتے ہیں۔ اگر وہ مطیع ہے تو وہ کہتے ہیں: ''جزاک اللہ خیرا'' ہمارے سامنے تو نے بڑی اطاعت کی اور ہمیں خوب راحت دی۔'' اگر وہ گنہگار ہے تو فرشتے کہتے ہیں۔ لا جزاک اللہ شرا بہت بری باتیں اور برے اعمال تو نے ہمارے سامنے کیے۔ تیسری ہیبت یہ ہے کہ موت کے وقت آدمی جنت یا دوزخ میں اپنی جگہ دیکھتا ہے۔ مطیع اور فرمانبردار آدمی سے ملک الموت کہتے ہیں: اے اللہ کے دوست تجھے جنت کی بشارت ہو۔ اور گنہگار سے کہتے ہیں: اے دشمن خدا تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ اس ہیبت اور خوف کا جان کنی کی حالت میں دوہرا رنج ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منھا۔ یہ خوفناک حالات آدمی دنیا میں دیکھتا ہے اور جو قبر میں جا کر اور اس کے بعد دیکھے گا اس کے سامنے یہ حالات حقیر وناچیز ہیں۔ فرمان نبی ﷺ ہے کہ ''جہنم میں معمولی عذاب یہ ہوگا کہ دوزخی کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جس کی گرمی سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا۔'' اس معمولی عذاب سے اس بڑے عذاب کا اندازہ لگا لو۔

مردے اور قبر

نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس وقت مردے کو قبر میں رکھتے ہیں تو قبر کہتی ہے: اے ابن آدم تو کس وجہ سے مجھے بھول گیا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں محنت کا گھر' ظلمت کا گھر' تنہائی کا گھر اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں۔ تو کس بات پر بھول گیا تھا۔ اگر وہ شخص نیک اور صالح ہو تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے جواب دے دیتا ہے کہ اے قبر تو کیا کہتی ہے' یہ صالح شخص ہے' اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ تب قبر کہتی ہے کہ میں اس کے لیے اب باغ بن جاؤں گی۔ پھر اس کا بدن نور بن جاتا ہے اور اس کی روح آسمان پر چلی جاتی ہے۔

گنہگار مردے کو قبر میں رکھتے ہیں تو اس پر عذاب ہونے لگتا ہے۔ پڑوسی مردے اسے آواز دیتے ہیں: ہم تجھ سے پہلے آئے تو نے ہمارے حالات سے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔ اس طرح زمین کے سب گوشے آواز دیتے ہیں کہ ظاہری دنیا کے عاشقو! تم نے ان کے حالات سے کیوں نہ عبرت حاصل کی جو تم سے پہلے چلے آئے۔

حدیث میں ہے کہ شائستہ آدمی کو جب قبر میں رکھتے ہیں تو اس کے نیک کام اسے گھیر لیتے ہیں اور اسے عذاب سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ جب عذاب کے فرشتے بائیں طرف سے آتے ہیں تو نماز سامنے آ کھڑی ہوتی ہے' کہتی ہے: اسے کچھ نہ کہنا اس نے اللہ کے لیے بہت قیام کیا۔ جب سرہانے کی طرف سے عذاب آتا ہے تو روزے سامنے آ کر کہتے ہیں کہ اس نے اللہ کے لیے بھوک پیاس برداشت کی اور جب ہاتھ کی طرف سے عذاب آتا ہے تو صدقہ کہتا ہے کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ' اس نے اس ہاتھ سے بہت صدقہ دیا۔ اور جب عذاب بدن کی طرف سے وارد ہوتا ہے تو حج اور جہاد کہتے ہیں کہ اس نے اللہ کی راہ میں سارے بدن کو مصروف رکھا اور تکالیف برداشت کیں۔ پس عذاب کے فرشتے اس مردے سے کہتے ہیں کہ تو خوش رہ اور تجھے مبارک ہو۔ ساتھ ہی رحمت کے فرشتے آ جاتے ہیں۔ قبر میں بہشت کا فرش بچھاتے ہیں اور قبر کو اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ جہاں تک نظر جاتی ہے وہ کھلی ہوتی ہے اور جنت کی ایک قندیل لا کر لٹکا دیتے ہیں تا کہ روشنی رہے۔ (عاقل کے لیے واضح رہے کہ عذاب قبر سے بچنے کے لیے نماز مع اس کے لوازمات از قسم کامل وضو' خشوع' رکوع سجود جیسا کہ حکم ہے کہ مکمل کرے۔ روزہ بمنشا خدا مکمل کرے۔ صدقہ حج وغیرہ جیسا کہ حق ہے ادا کرے ورنہ.....)

منکر نکیر

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندہ جب مرتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں' ان کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ وہ مردے سے پوچھتے ہیں کہ تو پیغمبر علیہ السلام کے متعلق کیا کہتا ہے۔ اگر وہ مردہ مسلمان ہے تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے رسول ہیں۔

پس اس کی قبر ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی ہو جاتی ہے۔ اسے روشن کر دیا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں تو دلہن کی طرح سو جا۔ مردہ منافق ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا پس زمین کو حکم ہوتا ہے کہ تو مل جا اور اس مردے کو دبا۔ وہ مل جاتی ہے۔ اور اسے دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں اور وہ قیامت تک اسی طرح عذاب میں مبتلا رہے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ کافر پر قبر میں دو اندھے بہرے جانور مسلط ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے۔ وہ جانور اس کافر کو قیامت تک مارتے رہیں گے۔

(باقی صفحہ نمبر 12 پر ملاحظہ فرمائیں)

بنت الاسلام

ہمسایوں کے حقوق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اسے (ترکے کا) وارث (بھی) بنا دیں گے۔ (بخاری)

اس حدیث پاک میں جو اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں حقوقِ ہمسایہ پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمسایہ چونکہ گھر کے قریب رہتا ہے اس لیے وہ دوسرے لوگوں کی نسبت بہتر طور پر دکھ سکھ کا ساتھی بن سکتا ہے۔ ایسے ہی گھر کے قرب ہی کے باعث اسے دکھ دینے اور ستانے کے مواقع بھی دور رہنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح گھروں کے بہت سے اندرونی راز بھی جو لوگ اپنے رشتے داروں سے بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں' ہمسایوں سے چھپانے مشکل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ہمسایہ بد باطن یا دشمن ہو تو وہ نہایت آسانی سے خاندان کو رسوا اور بدنام کر سکتا ہے۔ حقوق ہمسایہ پر زور دے کر اس بات کا بندوبست کیا گیا ہے کہ پاس پاس رہنے والے ایک دوسرے کے لیے راحت اور آرام کا باعث بنیں اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی سے بچ جائیں۔ اس کے علاوہ جس معاشرے میں ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کا احساس ہوگا وہاں غریب طبقات کی امداد کی صورتیں بھی پیدا ہوتی رہیں گی اور غریب اور امیر کے درمیان جو اجنبیت کی خلیج ہے وہ بھی پر ہوتی رہے گی' کیونکہ امیر ہمسایوں کو ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر اپنے ہمسائے سے ملنا جلنا اور معاشرتی تعلقات قائم کرنے پڑیں گے جس سے آپس کی اجنبیت اور غیریت دور ہو گی۔ یہ اور ایسے ہی اور فوائد کے باعث ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

حسن سلوک

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان) سنا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپؐ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے

کی عزت وتکریم کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت وتکریم کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔ (بخاری' مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کر (یعنی انہیں اس سالن میں سے تحفہ بھیج) (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمسائے سے حسن سلوک کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اسے تحفہ بھیجا جائے۔ تحفے کے معاملے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے قیمتی ہونا چاہیے' حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تحفہ ضرور بیش قیمت ہی ہو۔ اپنی استطاعت کے مطابق جیسا تحفہ بھی انسان دے سکے دینا چاہیے' کیونکہ اس کا اصل مقصد دلوں میں باہمی الفت پیدا کرنا ہے نہ کہ اپنی امارت کا اظہار۔ اس لیے نہ تحفہ دینے والے کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ کوئی قیمتی شے ہو تو تحفہ دوں' معمولی شے کیا دوں اور نہ تحفہ لینے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ تحفہ دینے والے کے دل کی محبت کی طرف نگاہ کرنے کے بجائے تحفے کی قیمت کا انداہ لگانا شروع کر دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمان عورتو' کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کے لیے تحفے کو حقیر نہ سمجھے' چاہے وہ تحفہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری)

رشتے داری کی طرح ہمسائگت میں بھی ترتیب کا دھیان رکھنے کی ہدایت دی ہے جس ہمسائے کا دروازہ زیادہ قریب ہے وہ حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا دروزاہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے ایک ہی تحفہ بھیجنا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہمسایوں میں سے اس ہمسائے کو زیادہ مستحق قرار دیا جس کا دروازہ زیادہ قریب تھا۔ اگرچہ تحفے کے حقدار دونوں ہی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔ (بیہقی)

معاویہ بن حیدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:

☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ ☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو تُو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ ☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تُو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔ ☆ اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو تُو اس کی پردہ پوشی کرے۔ ☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تُو اسے مبارکباد دے۔ ☆ اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تُو اسے تسلی دلاسا دے۔ ☆ اور تو اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرے کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔ ☆ اور تو اپنی ہنڈیا کی مہک سے اسے اذیت نہ دے' الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا اس کے گھر بھی بھیجے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ہنڈیا کی مہک سے اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تیرے گھر میں کوئی اچھا کھانا پک رہا ہو تو کوشش کر کہ اس کی مہک ہمسائے کے گھر میں نہ پہنچے۔ ایسے نہ ہو کہ اسے غم ہو کہ وہ ایسا اچھا کھانا کھانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ ہاں البتہ اگر تو ایسا کرے کہ جو اچھی شے پکائے اس میں سے ہمسائے کو بھی تحفہ بھیجے تو پھر حرج نہیں' اگر اس کی مہک ہمسائے تک پہنچ جائے۔ اس فرمان سے درحقیقت مراد یہ ہے کہ ہر طرح سے ہمسائے کی خاطر داری کی جائے' اسے آرام پہنچایا جائے' اس کی امداد کی جائے' اس کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے اور دھیان رکھا جائے کہ ہماری کسی حرکت سے اسے اپنی محرومی کا احساس نہ ہو' کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لیے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسائے وہ ہیں جو اپنے ہمسایوں کے لیے بہترین ہیں۔ (ترمذی)

ہمسایوں کی اقسام

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ ہمسایہ جسے صرف ایک حق حاصل ہے اور وہ حق کے لحاظ سے سب سے کم درجے کا ہمسایہ ہے' اور دوسرا وہ ہمسایہ جسے دو حق حاصل ہیں اور تیسرا وہ ہمسایہ جسے تین حقوق حاصل ہیں۔ جس ہمسائے کو ایک حق حاصل ہے وہ مشرک ہمسایہ ہے جس کے ساتھ کوئی رشتہ داری بھی

نہ ہو۔ اسے حق ہمسائگت حاصل ہے اور دو حق والا ہمسایہ وہ ہے جو مسلمان ہمسایہ ہے' اسے ایک حق تو مسلمان ہونے کے باعث حاصل ہے اور دوسرا ہمسایہ ہونے کے باعث۔ اور تین حقوق والا ہمسایہ وہ مسلمان ہمسایہ ہے جو ساتھ ہی رشتے دار بھی ہو۔ اسے ایک حق مسلمان ہونے کے باعث حاصل ہے دوسرا ہمسایہ ہونے کے باعث اور تیسرا رشتے دار ہونے کے باعث۔

(رواہ البزاز فی المسند)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ جتنا تعلق زیادہ گہرا ہوگا اتنے ہی اس کے حقوق زیادہ ہوں گے۔ جو شخص ہمسایہ ہونے کے علاوہ مسلمان بھی ہو اس کے حقوق اول الذکر سے کم ہوں گے مگر غیر مسلم ہمسائے سے زیادہ ہوں گے اور جو ہمسایہ غیر مسلم ہوگا اسے بھی حق ہمسائگت ضرور حاصل ہوگا۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو گوشت کا تحفہ بھیجا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو گوشت کا تحفہ بھیجا ہے؟ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسائے کے معاملے میں برابر وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ ہمسائے کو وارث بنا دیں گے۔ (ترمذی)

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہمسائے کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وحی محمدیؐ نے ہمسائے کے پہلو بہ پہلو ایک اور قسم کے ہمسائے کو جگہ دی ہے جس کو عام طور پر سے پڑوسی یا ہمسایہ نہیں کہتے مگر وہ ہمسائے ہی کی طرح اکثر ساتھ ہوتا ہے' جیسے ایک سفر کے دو رفیق' ایک مدرسے کے دو طالبعلم' ایک کارخانے کے دو ملازم' ایک استاد کے دو شاگرد' ایک دکان کے دو شریک کہ یہ بھی درحقیقت ایک طرح کی ہمسائگت ہے اور اس کا دوسرا نام رفاقت اور صحبت ہے۔'' (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۶ صفحہ ۲۷۹)

سورۃ النساء آیت 36 میں فرمایا گیا ہے:

﴿والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب﴾

''اور (خدا نے) ہمسایۂ قریب اور ہمسایۂ بیگانہ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کرنے کا حکم دیا ہے)

یہاں تین لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے' ہمسایۂ قریب' ہمسایۂ بیگانہ اور پہلو کا ساتھی۔ ہمسایۂ قریب اور ہمسایۂ بیگانہ کے بارے میں سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''اس ''قریب'' اور ''بیگانہ'' کے معنوں میں اہل تفسیر نے اختلاف کیا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ ''قریب'' کے معنی رشتہ دار و عزیز اور ''بیگانہ'' کے معنی غیر اور اجنبی کے ہیں۔ دوسرے کی رائے ہے کہ ''نزدیک'' کے معنی ہم مذہب کے ہیں اور ''دور'' سے مطلب دوسرے مذہب والے ہیں' جیسے یہودی' عیسائی' مشرک وغیرہ' لیکن حقیقت میں یہ اختلاف بے معنی ہے۔ تعلیم محمدیؐ کا منشا یہ ہے کہ پڑوسیوں اور ہمسایوں میں ان کو ترجیح دیجائے گی جن کے ساتھ اس پڑوس اور ہمسائیگی کے علاوہ محبت اور رابطے کا کوئی دوسرا تعلق بھی موجود ہو۔ وہ خواہ قرابت اور عزیز داری ہو' یا ہم مذہبی ہو یا کسی اور قسم کی رفاقت ہو۔ بہر حال حق کے ساتھ دوہرے تعلقات کو اکہرے تعلق پر ترجیح حاصل ہے۔'' (سیرۃ النبی جلد ششم' صفحہ ۲۸۰)

اور ''پہلو کے ساتھی'' کے بارے میں سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''متن میں ''الصاحب بالجنب'' فرمایا گیا ہے جس سے مراد ہم نشین دوست بھی ہے اور ایسا شخص بھی جس سے کہیں کسی وقت آدمی کا ساتھ ہو جائے۔ مثلاً آپ بازار میں جا رہے ہوں اور کوئی شخص آپ کے ساتھ راستہ چل رہا ہو یا کسی دکان پر آپ سودا خرید رہے ہوں اور کوئی دوسرا خریدار بھی آپ کے پاس بیٹھا ہو' یا سفر کے دوران میں کوئی شخص آپ کا ہمسفر ہو۔ یہ عارضی ہمسائیگی بھی ہر مہذب اور شریف انسان پر ایک حق عائد کرتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حتی الامکان اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور اسے تکلیف دینے سے مجتنب رہے۔'' (تفہیم القرآن' جلد اول' صفحہ ۳۵۲)

ہمسائے کو ایذا دینے کی مذمت

حضرت ابوشریح سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں' خدا کی قسم وہ مومن نہیں' خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جس کا ہمسایہ اس کی ضرر رسانیوں سے مامون نہ ہو۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں عورت کی نماز' روزے اور خیرات کی کثرت کا بہت چرچا ہے مگر وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو اذیت دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ آگ میں جائے گی۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ' فلاں عورت کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ کم روزے رکھتی ہے اور کم خیرات کرتی ہے مگر وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو دکھ نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جنت

میں جائے گی۔ (بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے مامون نہ ہوں۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک روایت بیان کی ہوئی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کیا ہوا ہے جس طرح رزق کو۔ اس روایت کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''.....اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے امن میں نہ ہو۔'' (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہمسایہ اپنے ہمسائے کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (لوگوں کو مخاطب کر کے) فرماتے تھے کہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں اس حدیث سے روگردانی کرنے والا پاتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اس حدیث کو تمہارے دونوں شانوں کے درمیان پھینکوں گا۔ (یعنی میں اسے برابر تمہارے سامنے بیان کرتا رہوں گا۔) (بخاری)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو شخص، جو آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے، دو ہمسائے ہوں گے۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ہمسائے کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا اور صبر کر۔ وہ شخص پھر دو مرتبہ یا تین مرتبہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا اور اپنا سامان راستے میں ڈال دے۔ چنانچہ اس نے اپنا سامان راستے میں ڈال دیا۔ (گویا وہ اس گھر کو چھوڑ کر جا رہا تھا) لوگ اس سے (اس کا سبب) پوچھنے لگے تو وہ انہیں اپنی بات بتانے لگا (کہ اس طرح ہمسائے نے تنگ کر رکھا ہے) اس پر لوگ اس کے ہمسائے کو لعن طعن کرنے لگے (اور بددعا دینے لگے) کہ خدا اسے ایسا کرے اور ایسا کرے۔ پھر اس کا ہمسایہ اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ (چل گھر) واپس لوٹ جا (اب) تو مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں دیکھے گا جو تجھے ناپسند ہو۔ (ابوداؤد)